



مجلس مرکزیہ

حزب انصار کی بیسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

۲۹۲۵

* کانفرنس *

قارئین شمس الاسلام کو اس مژدہ جانفزا سے خورسند کیا جاتا ہے کہ
حزب انصار کی بیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بتاریخ ۱۰-۱۱-۱۹۵۷ء
مطابق ۲۰-۲۱-۲۲ جمادی الاول ۱۳۷۹ھ بموافق ۲۶-۲۷-۲۸ پہاگن سمت
۲۰۶ بروز جمعہ - ہفتہ - اتوار کو انشاء اللہ العزیز جامع مسجد بہرہ میں منعقد
ہوگا جس میں مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف
لاڈینگے۔ مآذرحم بالا تاریخوں کو نوٹ فرما لیں خود بھی شامل ہوں اور اپنے
دوستوں کو جامعہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں۔

غلام حسین بن ناظم مجلس استقبالیہ حزب انصار بہرہ (پاکستان)

بیجاگازہ حضرت مولانا الحاج محمد رضا بکوی نور اللہ مرقدہ

تحت لادارہ

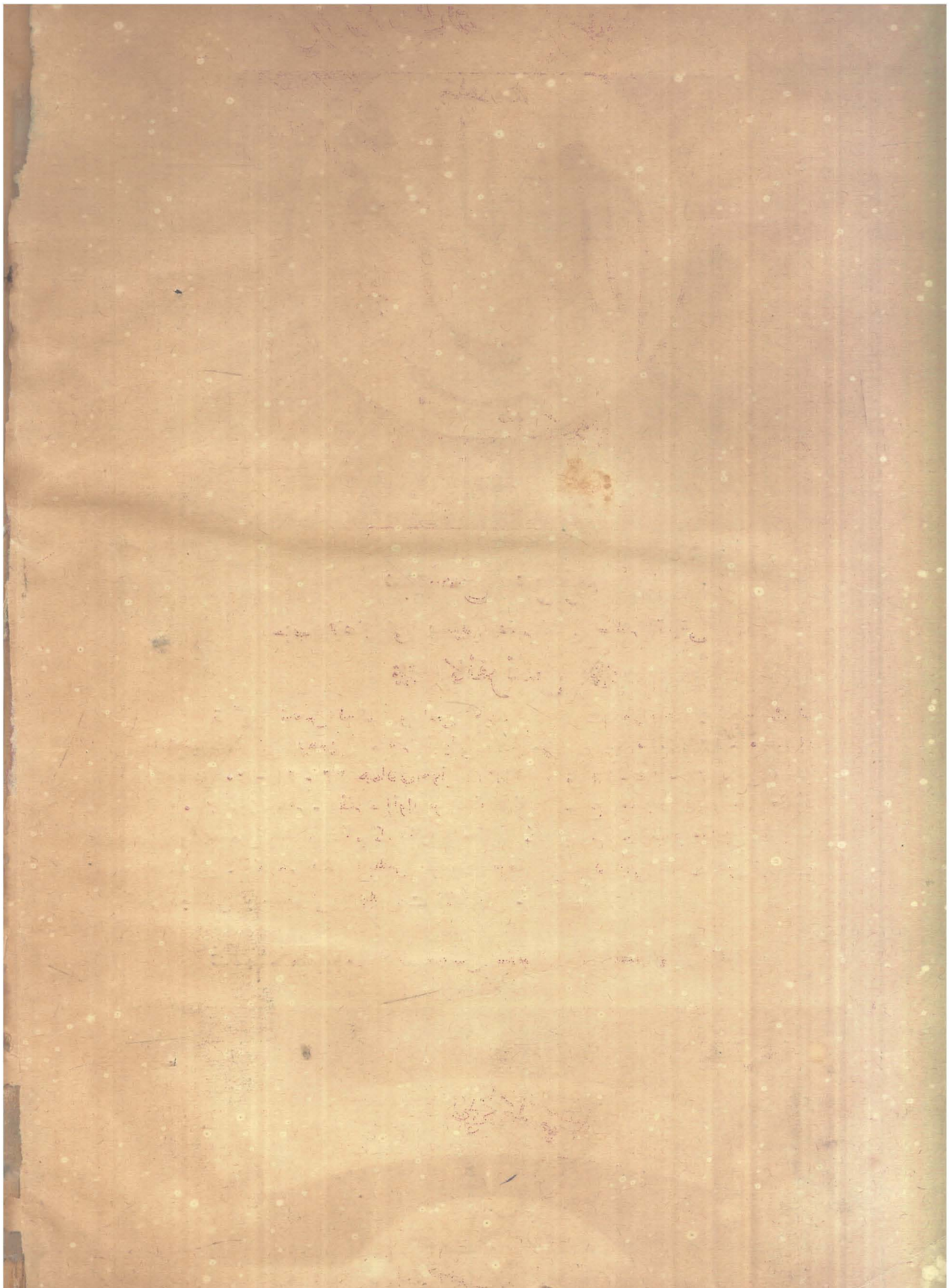
مولانا الحاج افتخار احمد صاحب بکوی حضرت انصار بہرہ

پرمستول

مسلم حسین

نہر سلاطین

عوام سے -
معاذین سے -
خلیہ سے -





پندرہویں ماہ کی گیارہ تاریخ کو

ماہنامہ شمس الاسلام

مدیر اعزازی - سید سیاح الدین کا کاخیل

مقام اشاعت - دفتر ماہنامہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ پاکستان

بাহقار غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، شانی برقی پریس سرگودھا سے چھپکر بھیرہ پاکستان سے شائع ہوا۔

- (۱) بزم انصاف ادارہ
- (۲) سانچہ ارتحال ادارہ
- (۳) فی کرجیل محترم نفیس صاحبزادہ
- (۴) تعلیم اسلامی مولانا محمد علی
- (۵) مسلمان ملکوں کی پہلی اقتصاد کی کانفرنس ادارہ
- (۶) ترک اسلام کے خدائی اور جان نہیں "
- (۷) علمی مذاکرہ محترم مولانا محمد حنیف صاحب
- (۸) حقائق و فوائد مآخوذ
- (۹) اسلام میں ذہنی حقوق ... مولانا سیاح الدین صاحب کاخیل
- (۱۰) ترائی میلاد نبی محترم مولانا فضل کرم صاحب

ضروری گزارش: ہر جلد خط و کتابت و ترسیل در بنام مدیر جریہ شمس الاسلام بھیرہ (پاکستان) ہونی چاہئے۔

امام المفسرین رئیس المحدثین قاسم ثانی شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا سانحہ ارتحال

(اداسہ)

مصائب اور تھے پر دل کا جانا بے عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
اس سال ماہ دسمبر کا دوسرا ہفتہ صرف پاکستان کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے ایک
”اسبوع الحزن“ یعنی سوچ و غم اور درد و کرب کا ہفتہ تھا۔ اسی دسمبر کی سہ تاریخ کو قریباً بارہ بجے ن
پاکستان کے بطل جلیل، عالم بے بدل، امام المفسرین، رئیس المحدثین، فخر المکملین، شیخ الاسلام حضرت
علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمعیت علماء اسلام پاکستان، صدر مؤتمر عالم اسلامی، رکن مجلس دستور ساز
پاکستان حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے بغداد الحدید (ریاست بہاولپور) میں اس جہان فانی سے
عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ دوسرا روح فرسا حادثہ کراچی کے
قریب ایک طیارہ کے گرنے کا واقعہ ہے۔ جس میں پاکستان کے جلیل القدر فوجی افسر اور ممالک اسلامیہ
کے نمائندے اور دوسرے معزز و محترم اشخاص لقمہ اجل ہو گئے۔

حضرت مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہ کی دائمی مفارقت اور ان کے ثمرات و برکات سے محرومی کی یہ جان
گسل خبر ہر مسلمان کے لئے ایک صاعقہ آسمانی کی حیثیت سے پہونچی اور اس نے صبر و سکون کے خرمین کو
جلا کر رکھ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس دنیا میں ہر ذوقیات زندگی کے چند مستعار دن لے کر آیا ہے۔ اور
آیا اس لئے ہے کہ آخر کار زود یا بہ دیر اسکو کوچ کر کے جانا ہی ہے۔ ایسا کوئی نہیں جو موت سے آخر کار ایک
نہ ایک دن ہٹکار نہ ہوتا ہو۔ موت کے چنگل سے کسی کے بچنے کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ کُلُّ نَفْسٍ ذِیْ رُفْقَةٍ
لِّلْمَوْتِ اور کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَاِنِ، اور کُلُّ شَیْءٍ هَآلِکٌ اِلَّا وَجْہَہُ، اور مَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ
قَبْلُکَ اَمُحْلَدٌ کے مطابق ہر کسی کو یہاں سے جانا ہے۔

ہر آنکہ زیت بہ ناچار باید شِش نوشید + ز جام دہر مے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَاِنِ

اس لئے حضرت مولانا کا یہ سانحہ ارتحال اس لحاظ سے کوئی نیا اور قابل حیرت و استعجاب البتہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت مولانا کی ذات گرامی کو پاکستان کے ساتھ جو وابستگی تھی اور جن کی شخصیت قائد اعظم کی رحلت کے بعد ایک واحد مرکزی نقطے کے مانند تھی۔ بلکہ مذہبی پیشوائی و رہنمائی اور صحیح قیادت کی بنا پر آپ کو وہ امتیاز حاصل تھا جو اور کسی کو نصیب نہ تھا۔ ان کا اچانک ہی اس شدید ضرورت کے موقع پر ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا یقیناً ایک ایسا صبر آزمایا سانحہ ہے جس سے چشم ماتم گسار خدا جلے کب تک خون کے آنسو بہائے گی۔ علماء کرام کی صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو ڈر کنار دینا ئے اسلام میں بھی آپ کے پاس کی ہستی کوئی نہ تھی۔ پاکستان کے لئے مولانا محترم جیسی ہستی ایک بہت بڑا ستون تھی جس پر عوام و خواص اعتماد کر سکتے تھے۔

مولانا نے محترم ذہانت و فطانت اور علمی بصیرت و تبحر، قرآن و حدیث اور فقہ و کلام میں مہارت و دسترس کے اعتبار سے تمام علماء کرام میں گل سرسبد کی حیثیت اور ایک خاص امتیازی مقام رکھتے تھے۔ جس وقت متحدہ ہندوستان کے ظلمت لکڑے میں کفر و الحاد کی تاریکیاں برطانوی اقتدار کے سائے میں پرورش پا رہی تھیں مولانا نے عثمانی کی ذات گرامی وہ ذات تھی جس نے عقل و دانش کی روشنی میں اسلامی احکام کی مصلحتیں آشکارا کیں اور متحدہ ہندوستان کے طفل و عرض سے متفقہ طور پر ”مشکلم اسلام“ کا لقب حاصل فرمایا۔ آپ کی مدلل اور زوردار تقریروں اور تحریروں کو دیکھ کر اکثر اہل علم و بصیرت آپ کو قاسم ثانی کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اور آپ کو قاسم العلوم و الخیرات کی یادگار سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کی بیٹن بہا اور اگر انقدر تصانیف میں سے ”الاسلام“ العقل والنقل، اعجاز القرآن، خوارق عادات، الروح فی القرآن، الشہاب، اور دوسرے مقالات مندرجہ رسالہ ”القاسم“ خصوصیت کے ساتھ کفر و الحاد کے زہریلے جراثیم کے لئے تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ علماء کی صف میں آپ اعلیٰ اکابر میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ جو وقت کی زبان میں سلاست و فصاحت کے ساتھ عام فہم طریقے پر موثر و دلنشین انداز بیان سے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتے تھے۔ یہی خوبی آپ کی تقریر میں بھی تھی۔ آپ ایک بہترین اور نہایت سنجیدہ خطیب تھے۔ جن لوگوں کو کبھی آپ کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ نہایت سچے ہوئے اور انتہائی شگفتہ انداز سے بولتے تھے۔ دوران تقریر میں

مناسب مواقع پر مناسب اشعار اور خصوصاً حضرت اکبر الہ آبادیؒ کے اشعار بھی چسپان کرتے جاتے تھے۔ مگر اس کے باوجود طرز کلام کی عالمانہ ثقاہت میں مطلق کوئی فرق نہ آتا تھا۔

مرکز علوم وینیہ دارالعلوم دیوبند میں تکمیل علوم و فنون کے بعد جب نو جوانی ہی میں آپ مدرس مقرر ہوئے تو اس وقت سے فنون کی بڑی بڑی کتابیں پورے شوق و ذوق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ اور آپ کو عہد شباب ہی میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ مدتوں تک آپ تدریس و مطالعہ کے علمی مشغلہ میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور علوم قرآن و حدیث کی وادی میں گنگشت کرتے رہے۔ تحریک خلافت کے آغاز ہی میں آپ نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور اپنے شیخ و استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہ کے نتیج میں آپ نے بھی عملی میدان میں حصہ لیا۔ اور حضرت کی اسارت مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت کی طرف سے اکثر جلسوں میں آپ تقریر ارشاد فرماتے یا خطبہ صدارت سنا دیتے۔

علماء کرام کی نمائندہ جماعت جمعیتہ العلماء ہند میں آپ نے پوری سرگرمی کے ساتھ شرکت فرمائی اور مجلس عاملہ کے اہم ترین ارکان میں سے آپ بھی تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جمعیتہ العلماء کے اجلاس دہلی میں آپ کی شاندار تقریر ہوئی تھی۔ جس کا مدتوں تک چرچا رہا۔ اس کے بعد ملک کے سیاسی حالات کا رنگ بدلنے لگا۔ ۱۹۴۷ء میں مطالبہ پاکستان ایک باقاعدہ تجویز کی صورت میں سامنے آیا۔ مسلم لیگ کی زیر قیادت

مسلمانوں کا یہ مطالبہ روز بہ روز در پیکر پڑنے لگا۔ حضرت مولانا نے بھی پورے غور و فکر اور سیاسی تدبیر اور اپنی خدا داد ذہانت و فطانت سے کام لیکر مالہ و ماعلیہ کو زیر غور رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس موقع پر مسلم لیگ کی ہمنوائی کر کے اس مطالبہ کو تقویت دینے میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس فیصلہ کے مطابق عملی کام شروع کیا۔ اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے لئے علماء کرام کی ایک دوسری تنظیم کی اور کلکتہ میں جمعیتہ علماء اسلام کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد آپ نے جس جانفشانی اور پیرانہ سالی میں ضعف و کمزوری کے باوجود جس قدر رنگ و دھبے کام لیکر مسلم لیگ میں حیات نو پیدا کی اور اس کو مذہبی طور سے عوام میں روشناس کر کے مسلمانوں کی نگاہوں میں محبوب و محترم بنایا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس سلسلہ میں میرٹھ کانفرنس کا خطبہ صدارت اور پھر صوبہ پنجاب جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس منعقدہ ۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری ۱۳۵۷ء میں خطبہ صدارت خصوصیت کے ساتھ مطالبہ پاکستان کو مذہبی طور سے مدلل و مبرہن کرنے کے بہترین نمونے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے جس فصاحت و بلاغت اور اپنی خدا داد قوت استدلال سے ان خطبات

اور اپنی تقاریر میں اس مسئلہ کو واضح و منقطع کیا ہے۔ مسلم لیگ کے کسی لیڈر اور کسی دوسرے عالم و صوفی نے استدلالی رنگ میں کبھی نہیں کیا تھا۔ مسٹر حسین شہید سہروردی نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ کہ ”انہوں نے اسلامیات ہند کی جس انداز سے قیادت اور رہنمائی کی اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا“۔ الغرض مطالبہ پاکستان کو قوی تر کرنے اور عوام کی بے پناہ عقیدتوں کو اس کے ساتھ وابستہ کرنے میں آپ کی جدوجہد کو بہت کچھ دخل تھا۔ اور پھر اعلان تقسیم ملک کے بعد صوبہ سرحد کے مسئلہ استصواب رائے کی مہم کو کامیابی کیساتھ سر کرنا ادھ خان برادران کی مضبوط تنظیم میں رخصت ڈال کر نایاں طور سے میدان جیت لینا یہ صرف آپ کی ہمت اور سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔ آپ نے صوبہ سرحد میں تشریف لیجا کر جس طرز و انداز سے تقریریں کیں اور حقیقت حال کو سمجھایا بس اسی کی برکت تھی کہ مسلم لیگ اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئی۔

مسلم لیگ کی ہمنوائی اختیار فرمانے اور اس تحریک کو تقویت دینے کے بعد عموماً آپ تقادیر اور دوران گفتگو میں یہ وجہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں صرف اس لئے مطالبہ پاکستان کی حمایت میں پوری سرگرمی دکھا رہا ہوں کہ مسلمانوں کی آزاد و خود مختار حکومت میں نظام اسلامی کی تنقید و اجراء کی آسائیاں مہیا ہو سکیں۔ اور جیسا کہ مجھ سے قائد اعظم اور دوسرے ذمہ دار ارکان مسلم لیگ نے فرمایا ہے اور بلکہ بار بار قوم کے سامنے بھی انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ”سر زمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی“۔ حضرت مولانا نے محترم نے قیام پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی کے ایک ذمہ دار رکن کی حیثیت سے اس بنیادی مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ اور واقف کار جانتے ہیں کہ آپ نے کس قدر پیہم جدوجہد اور سر توڑ کوشش اس کام کے لئے جاری رکھی۔ اور آخر کار ۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء کو قرارداد مقاصد پاکستان، دستور ساز اسمبلی کی طرف سے منظور ہوئی۔ اور آپ کی سعی و ہمت اور برکت و جدوجہد سے ”روشنی کا یہ مینار“ تمام عالم کو روشن کرنے کے لئے نصب کیا گیا۔ قرارداد مقاصد کی ترتیب و تشکیل درحقیقت آپ ہی نے کی تھی۔ اور آپ کی بنیاد پر قوت استدلال اور اپنے مقصد کے لئے سچی ٹرپ کا قہر تھا۔ کہ آئینی طور سے پاکستان کو ایک اسلامی ریاست قرار دیدیا گیا۔ اور یہ آپ کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔ اس کے بعد قرارداد مقاصد کے مقتضیات کے مطابق قانون سازی اور معاشرہ کی تشکیل اور عملی طور سے اسلام کے احکام و ضوابط کی تنقید کا اہم کام بھی آپ پورا کر نیکا ارادہ رکھتے ہوئے تجاویز سوچ رہے تھے۔ اور اس نازک موقع پر حقیقتاً آپ جیسے فقیہ النفس متبحر ماہر علوم و فنون اور مخلص و دیانتدار ہی سے صحیح رہنمائی و پیشوائی کی توقع ہو سکتی تھی۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا مرحوم

کی اچانک وفات کا یہ حادثہ ایک نہایت زبردست نقصان اور ہوشربا المیہ ہے۔ محترم بیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان نے درست فرمایا ہے۔ کہ ”موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ایک متبحر عالم، ایک متقی انسان اور ایک سچے مسلمان کو جدا کر دیا ہے۔ اور ہمیں اسلامی معاشرہ کی تنظیم و تشکیل میں آنے کے انقدر مشوروں سے محروم کر دیا۔ اس وقت در ماندہ انسانیت کو رہنمائی و قیادت کے لئے انکی سخت ضرورت تھی۔ مولانا نے مرحوم کی شخصیت علم اور وسیع النظری کا مجموعہ تھی۔ بلاشبہ یہ ایک نقصان عظیم ہے۔“ واقعی مولانا کے بارے میں کہا جاسکتا ہے ۔

لئن حسنت فیک المراتی و ذکرہا + لقد حسنت من قبل فیک للذائع

مولانا ظفر علی خان صاحب نے اس حادثہ فاجعہ پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے۔ کہ ”میں اس لئے بھی مرحوم کا تاج ہوں کہ وہ ان چند علماء کرام میں سے تھے جو کتاب اللہ کے حقائق و معارف پر بالغانہ نظر رکھتے تھے جنہیں شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ اور مولانا محمود الحسن کے بعد قرآن وانی و قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی۔ جن لوگوں نے مرحوم کی تقریریں سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے۔ میرے وطن کی بدقسمتی ہے کہ وہ ایسے عالم باعمل سے محروم ہو گیا۔ جس کی فکر و نظر نے پاکستان کے مادی خلاء کے میں شرعی نظام کا رنگ بھرنا شروع کیا تھا۔ اور جو ملک اور اہل ملک کو اسلام کی سینزدہ صد سالہ روایات سے منور کرنا چاہتا تھا۔ جو اسلام کے لئے جینا چاہتا تھا اور اسلام کے لئے مرا۔ اللہ تعالیٰ اس بزرگ ملت کو جو ارجمت میں جگہ دے۔ اور ملت کو اس کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے“

حضرت مولانا کے علم و فضل، تبحر و تفقہ، حقائق و معارف قرآن و حدیث کا غمیق ادراک، فصاحت و بلاغت، تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ اور اس قسم کی بے شمار خوبیاں کہاں تک گنا فی جاسکتی ہیں ۔ سفینہ چاہئے اس بحر بکراں کے لئے۔ و احسرتا، کہ آج قلم کو علم و عرفان کے اس آفتاب عالمتاب اور پاکستان میں قیام نظام اسلامی کے علمبردار اور اخلاص و عمل کے اس پیکر لطیف کا ماتم کرنا پڑا۔ جو دین کے لئے اور مسلمان قوم کی سربلندی کے لئے پیرائہ سالی اور ضعف و نقاہت میں بھی غمگسار رہا۔ اُس فقیہ اعظم کی شمع حیات گل ہو گئی جس کی روشنی سے تدوین قانون اسلامی میں تمام دستور ساز اسمبلی مستنیر ہو سکتی تھی۔ ہم سے وہ انمول جوہر ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا جو قیام پاکستان کے بعد تمام مسلمان کی آرزوں کا مرکز تھا۔ اور آج پاکستان میں کیا

اس محسن اعظم کے علمی عملی احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم خلوص قلب کے ساتھ انکو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انکو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی روح کو جنت الفردوس کی دائمی اور ابدی خوشیاں نصیب فرمائیں۔ اور قبر مبارک کو رحمت و مغفرت کے انوار سے منور فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

مولانا مرحوم کی حقیقی یادگاریں

ہر انسان کی طرح آخر کار حضرت مولانا کو بھی اس دنیا سے جانا تھا اور آپ وقت مقررہ پر اس دار فانی سے علی کی طرف کوچ کر گئے۔ لیکن اس صدمہ پر چند آنسو بہا کر اور پریشان حال ہو کر یا ماتم گسار ہو کر غم و الم کا مظاہرہ کر کے بس کرنا کوئی صحیح طریقہ کار نہیں۔ مسلمان اگر واقعی حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ سچی عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ محترم و عظیم اعظم پاکستان، گورنر جنرل الحلاج نواز جہان ظلم الدین صاحب، دوسرے وزراء و ارکان حکومت نے واقعی آپ کی وفات کے سانحہ فاجعہ کو ایک نقصان عظیم سمجھا ہے اور انکے دل کو صدمہ پہنچا ہے جیسا کہ ان سب حضرات کے بیانات سے واضح ہوتا ہے۔ تو پھر قطعی ربط و تعلق کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ آپ کی یادگاروں کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا جائے بلکہ اس کی تکمیل و تقیم کی جائے۔

سب سے اول اور اہم یادگار تو یہ ہے کہ آپ کی پیہم کوششوں سے قرارداد مقاصد منظور ہوئی اور آپ نے آخر میں اپنی زندگی کا مقصد عزیز لے قرار دیا تھا کہ اس قرارداد کے مطابق نظام اسلامی کی ترتیب و تدوین ہو۔ اور اسے جلد از جلد نافذ کیا جائے۔ پس قوم کا فرض ہے کہ وہ اس مطالبہ کو ہمہ گیر کر کے مولانا کی قلبی آرزوں کی تکمیل کرے اور ارکان و دستور ساز اسمبلی کا فرض ہے کہ وہ صحیح خطوط پر مولانا مرحوم کے بتائے ہوئے نقشہ کار کے مطابق جلد از جلد قانون سازی اور تنفیذ و اجراء احکام شریعت کی تکمیل کر دے اور اسی سے حضرت مرحوم کی روح پاک کو جنت الفردوس میں خوش کرے۔ اس سلسلہ میں صاف طور سے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ کی جانشینی کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ بہت سے ”بوالہوس“ ہر قسم کی نا اہلیتوں کے باوجود اس ”حسن پرستی کو شعار“ بنانے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے ”زاع و زعن“ اس ”عقاب کے نشیم“ پر قبضہ و تصرف جانے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ لیکن مرکز کے ذمہ دار ارکان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے احتیاط سے قدم اٹھانا چاہئے۔ خدا نخواستہ وہ اس معاملہ میں اپنی نگہ انتخاب کی غلط بینی کا ثبوت نہ دیں اور اس مقام کی عظمت و حیثیت کا اندازہ لگا کر سوچیں جس پر مولانا نامتکمن تھے۔ مولانا کی حیثیت دستور ساز اسمبلی کے دوسرے عام ارکان کی طرح ایک رکن کی نہ تھی۔ کہ یہ سمجھا جائے کہ بس ایک رکن کی جگہ خالی ہو گئی ہے اور کسی مسٹر کو، یا کسی نام نہاد مولانا کو وہاں لاکر بٹھایا جاسکے۔ بلکہ دستور ساز اسمبلی کی جسد میں آپ کی حیثیت روح روان کی تھی۔ آپ کی جدائی میں یوں محسوس کرنا چاہئے کہ اسمبلی بے روح ہو گئی ہے۔ اس لئے اس کو زندہ و فعال بنانے

کے لئے کسی روح کو لایا جائے۔ اور اس میں شک نہیں کہ روح اسمبلی کی حیثیت سے اس مقام کے لئے اگر تلاش شروع ہو جائے تو شاید بہت ہی غور و فکر کے بعد کامیابی کی امید ہو سکے گی۔ کوئی ظاہر مین یہ نہ سمجھے کہ آخر اس پاکستان میں مولویوں اور سجادہ نشینان کرام کی کمی تو نہیں۔ کسی مولوی صاحب کو بہ یک جست وہاں پہنچا کر بیٹھا دیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جگنو کی چمک چراغ کی لونہیں ہو سکتی۔ سراب کو زرخندہ ستاروں کا ہجوم نہیں کہہ سکتے۔ ہر بچکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ اور یہ ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے *

قرآن وحدیث سے نابلد اور مغرب زدہ ارکان اسمبلی کی جماعت میں حامل لوادین ہونے کی حیثیت سے دین کی تمام ذمہ داریوں کو سمجھنے والا اور ان کو بہ احسن طریقہ نبھانے والا شیر احمد عثمانی ہی ہو سکتا تھا۔ ہر عالم دین کی مجال نہیں کہ ایسے حالات میں ایسے رفقاء کار کے ساتھ وہ دینی تقاضوں کو پورا کرنا ہوا چل سکے۔

۵ نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبدری داند * نہ ہر کہ سہر تر شد قلدندری داند
ہزار کشتہ باریک ترز مو انجبا است * نہ ہر کہ آئینہ وارد سکندری داند

پاکستان میں صرف چند ہی حضرات علماء کرام اس مقام کی پوری ذمہ داریوں کو نبھانے کی اہلیت رکھ سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ارکان حکومت کی ذاتی سیاسی مصلحتوں اور ناقدر شناسیوں کی وجہ سے اب تو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ ان کو جیل کی کوٹھڑیوں سے نکال کر اور مدارس ومکاتب کے کوفوں سے باہر آنے پر مجبور کر کے حق بہ حق دار رسید پر عمل کیا جاسکے گا۔ مگر کچھ بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ تاریخ کیا خود قرآن مجید جیسی مقدس و صادق ترین کتاب بتلائی ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بضع سنہین کے بعد زندان سے نکال کر اقتدار و اختیار کے تخت پر متمکن کیا گیا۔ اور جسے مجرم قرار دیکر جرم بے گناہی میں حوالہ زندان کیا گیا تھا اسے اِنَّا لَنُیَا مَکِیْنٌ کے خطاب سے نوازا گیا۔ تاریخ اپنے کو بار بار دہرائی ہے۔ کیا عجب ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرائے۔ لیکن بہر حال اگر سیاسی مصالح عدل و انصاف کے فیصلوں کے لئے روک بن کر ایسے لوگوں کو آگے آنے نہیں دیتے تو کم از کم جمعیۃ علماء اسلام ہی میں حضرت شیخ الاسلام مرحوم کے تربیت یافتہ، قابل و مستند اور تحریک پاکستان کے پرچوش داعی اور محرک اور خادم موجود ہیں جن کو اس مقام کے لئے منتخب کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے فرضی جمعیۃ علماء عمدہ و منصب کے لالچ میں ہزار نا اہلیتوں کے باوجود اب عالم وجود میں آنے لگیں گے۔ اس لئے ہم ذمہ داران حکومت کو بروقت انتباہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مولانا کا یہ اہم مقام اگر اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنا پر کسی ایسی ”ینڈ کی“ کو حوالہ کیا گیا جسے حضرت مرحوم کے استحصال کے بعد زعامت و قیادت مذہبی کا ”کام“ ہونے لگا ہو۔ تو یہ درحقیقت اس مقام کی اور حضرت مرحوم کی توہین ہوگی۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ لوگ درحقیقت قرارداد مقاصد کے صحیح تقاضوں کو پورا نہیں کرنا چاہتے اور تمہیں اسلامی معاشرہ کی تنظیم و تشکیل

مطلوب و مرغوب نہیں۔

ساتھ وفات سے چند روز قبل ہی حضرت مولانا مرحوم نے کراچی میں ایک دارالعلوم الدینیہ کی تاسیس و تعمیر کا ارادہ فرمایا تھا۔ کراچی کے ممتاز

تاجر اور پاکستان کے چند خصوصی ماہرین علوم عربیہ کو دعوت دیکر آپ نے کراچی بلایا تھا۔ اور اس سلسلہ میں مشورے ہوتے رہے۔ کچھ تجویزیں ہو چکی تھیں۔ اور کچھ ہو رہی تھیں۔ آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ تقسیم ملک کے بعد حیب دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ ڈابھیل اور دوسرے علمی مراکز انڈیا میں رہ گئے اور پاکستان میں کوئی ایسا مرکز ہی اور جامع تعلیمی ادارہ نہیں تو سخت ضرورت ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو علوم دینیہ قرآن و حدیث اور فقہ و اصول اور علوم ادبیہ سے واقف کرنے کے لئے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے۔ یہ تجویزیں ہو رہی تھیں اور خیال تھا کہ پانچ چھ مہینے اس سلسلہ میں کوشش کرنے کے بعد آئندہ شوال سے کام کی ابتدا کی جائے۔ انہی ارادوں میں تھے کہ عمر عزیز کے لمحات پورے ہو گئے۔ اور آپ بہاؤپور کے جامعہ عبادیہ کے تعلیمی مشوروں ہی کے لئے تشریف لائے تھے کہ آپ کا انتقال اشاعت علم ہی کی راہ میں ہوا۔ اب مزید ضرورت ہے کہ مسلمانان پاکستان آپ کی این آرزوی کی جلد از جلد تکمیل کر دیں اور کراچی میں ایک بہت بڑا دارالعلوم آپ ہی کے نام سے دارالعلوم رضویا ایفہ جاری کر کے مسلمانان ملک کیا بلکہ مسلمانان عالم کے لئے ایک مرکز رشد و ہدایت وجود میں لے آئیں۔ اخبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت مرحوم کے مدفن کے پاس ہی ایک قطعہ زمین حکومت نے الاٹ کیا ہے۔ اس جگہ آپ کی یاد میں ایک مسجد اور ایک مکتب تعمیر کیا جائیگا۔ چاہئے کہ مکتب پر کٹافانہ کیا جائے۔ بلکہ اعلیٰ پیمانہ پر دارالعلوم ہو۔ تاکہ آپ کی شایان شان یادگار ہو۔ نیز اس کے ساتھ ایک مجلس علمی کی بنیاد رکھی جائے۔ جو دوسری مذہبی کتب کی تصنیف و تالیف اور طبع و اشاعت کیساتھ ساتھ خصوصیت کے ساتھ آپ کی تصانیف اور خصوصاً فتح الملمع اور فواید قرآن مجید کی اشاعت کیا کرے۔ ان صدقات جاریہ ہی سے آپ کی فیوضات و برکات کا بھی جاری رکھا جاسکے گا۔ اور آپ کا اسم گرامی بھی زندہ جاوید رہ کر مسلمانان پاکستان کو دعوت عمل و تیار ہوگا۔ امید ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس مسئلہ پر فوری طور سے غور و فکر فرمائیں گے۔

دوسرا حادثہ فاجعہ

دوسرا اہم ترین اور جاں گسل حادثہ ہوائی جہاز کے گر کر تباہ و برباد ہونے کا ہے جو ۱۲ اور ۱۳ دسمبر کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ اس حادثہ جانکاہ میں مندرجہ ذیل مسافر لقمہ اجل ہوئے ہیں۔ (۱) مسٹر آر۔ اے برج۔ (۲) خان

بہادر دین محمد (۳)، بیگم دین محمد (۴)، میجر جنرل محمد افتخار خان (۵)، بیگم جنرل افتخار خان (۶)، چھوٹا شیر نوار بیگم (۷)، لالہ مرلی دھرم مالک کاشن لٹرائٹس پور (۸)، مرلی دھرم کی بیوی (۹)، مسٹر افتخار احمد خان برادرزادہ جنرل منیجر کاشن لٹرائٹس پور (۱۰)، مسٹر بکتر (۱۱)، مسٹر شیر علی (۱۲)، رانا محمد صدیقی (۱۳)، مسٹر جیل (۱۴)، مسٹر ہاسن (۱۵)، بریگیڈیر شیر خان (۱۶)، مسٹر محمد نیاز (۱۷)، خواجہ مشتاق احمد (۱۸)، مسٹر فیضی والی (۱۹)، مسٹر شفیق الخطیب (۲۰)، مسٹر محمد بن عبود (مرکاش)، (۲۱)، مسٹر علی حمادی (انجرائر)، (۲۲)، مسٹر حبیب نامہ ریونس، (جہاز کا علم)، (۲۳)، کیپٹن فاروقی (۲۴)، فلائٹ آفیسر سلیم (۲۵)، ایک ریڈیو آفیسر بری (۲۶)، مس مارگریٹ جو نیر۔ یہ حادثہ نہایت ہی زبردست اور غم انگیز ہے۔ اچانک ہی اس طور سے ۲۶۔ انسانی جانوں کا ضائع ہو جانا فی نفسہ بھی بہت بڑا اہم واقعہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ اس میں نہایت ہی اہم شخصیتیں نعمہ اجل ہو گئیں۔ میجر جنرل افتخار خان اور بریگیڈیر شیر خان پاکستانی فوج کے نہایت ممتاز لائق اور وفادار پاکستان کے سہلیہ میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے افسر تھے۔ اور انکی وفات سے ملک و ملت کو بہت بڑا ناقابل تلافی نقصان پہونچا۔ ممالک اسلامیہ کے پانچ نمایندے جو اقتصادی کانفرنس میں اپنی حکومتوں کے مندوب بن کر گئے تھے یقیناً اپنے ملکوں کے منتخب اور چیدہ صاحب دماغ اور مردان کار تھے۔ اس عالم غربت میں اس مکیبی کے ساتھ ان کی موت یقیناً قابل رحم اور لائق صدمہ زدہ ہے۔ ان کی وجہ سے ان اسلامی ملکوں کو جو نقصان پہونچا ہے اسکی تلافی بھی مشکل سے ہو سکے گی۔ دوسرے مسافر بھی اپنی اپنی حیثیت سے کسی نہ کسی لحاظ سے امتیاز و خصوصیت رکھتے تھے۔ اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ان دونوں افسروں، ممالک اسلامیہ کے نمائندوں اور دوسرے مسلمانوں کے لئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جملہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین *

ذکر جمیل

(محترم نفیس صاحب چٹائی)

اُس نے ہی اپنے نفس کو مارا ہے ہر گھڑی
تجھ کو قدم قدم پہ پکارا ہے ہر گھڑی
مجھ ناتواں کو تیرا سہارا ہے ہر گھڑی
بہنوں نے بھائیوں کو پکارا ہے ہر گھڑی
پیش رسولِ انجمن آرا ہے ہر گھڑی

وہ شخص جسکو تیرا سہارا ہے ہر گھڑی
یہ بیچ دھم، یہ مرحلے، یہ راہ عشق کی !
انداز یا اقصیٰ کہ منزل قریب ہے
چنیں سناٹی دیتی ہیں مشرق کی سمت
جس کو نصیبِ محبت رسولِ خدا ہے وہ

تعلیمات اسلامی

(مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی)

اسلام کا دوسرا رکن

نماز ہے۔ جو خداوند تعالیٰ کی طرف

قید میں مرجائے۔

نماز کے فائدے

سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جس

انسان نے اپنے خدا کا حکم مان لیا۔ اور اس کے حکم کے پورا

کرنے میں کوشش کر لی۔ وہ سمجھ لے کہ اس نے اپنی

طرف سے اظہارِ غلامی کر دیا۔ مگر تاہم چونکہ خدا تعالیٰ

کا کوئی بھی حکم حکمت اور فائدے سے خالی نہیں۔ اس لئے

یہاں پر صرف فائدے لکھے جاتے ہیں۔

(۱)۔ صفائی بہ نماز کے لئے بدن کی پیرا اور اس جگہ کا پاک

ہونا ضروری ہے۔ جہاں نماز ادا کرتا ہو۔ پھر وضو کرنا

ضروری ہے۔ اور اگر ہوتب بھی کرنا بہتر ہے۔ اسلئے

لازمی اور ضروری طور پر نمازی آدمی کا صاف ستھرا

رہنا یقینی ہے۔ جو آدمی روزانہ پانچ دفعہ ہاتھ منہ

دھو کر ہوا اور ہفتہ میں کم از کم ایک دفعہ غسل کرتا ہو۔

وہ ضرور صاف اور ستھرا ہی ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ وَتُحِبُّ الْمُنَظَّفِينَ۔ اور

اللہ تعالیٰ پاک و صاف رہنے میں پوری کوشش والوں

کو پسند فرماتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کا ارشاد گرامی ہے۔ الطَّهْرُ شَرْطُ الْإِيمَانِ۔

د پاک صاف رہنا ایمان کا ایک حصہ ہے، مشکوٰۃ،

(۲)۔ اخوت اور ہمدردی کا عملی طریقہ بہ

جیکہ محلہ کے سارے مسلمان دن میں پانچ دفعہ

مسجد میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ تو ان میں اگر

ایک خاص عبادت کا نام ہے۔

پہلے انبیاء علیہم السلام بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اپنے

خاندان کو بھی نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن

کریم میں چوتھڑی مقامات پر اس کا حکم نہایت ہی تاکید سے

فرمایا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اللہ کو ایک مانتے والے

اور مشرک کا فرق نماز کو فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد اسی ہے۔

أَقِمْ وَ الصَّلَاةَ وَلَا تَكُنْ مِمَّنْ لِّلشُّرِكِيْنَ۔ (نماز کو پوری

طرح ادا کرو۔ اور مشرکوں سے نہ ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نماز کی جتنی تاکید فرمائی ہے۔ اتنی اور کسی کام

کی نہیں فرمائی۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے زمانہ میں صحابہ اور کسی کام کے چھوڑنے کو کفرِ منہر

سمجھتے تھے۔ مگر نماز کے چھوڑنے کو کفر کا کام سمجھتے تھے

ائمہ مجتہدین دجن کے مرتبہ قانون پر ساری دنیا کے مسلمان

چل رہے ہیں، کا نماز بلا کسی عذر کے چھوڑنے والے کے

معلق یہ حکم ہے کہ

امام احمد بن حنبل دجن کا قانون عرب میں رائج

ہے، کے ہاں وہ کافر ہو جاتا ہے۔

امام شافعی دجن کا قانون جزائر شرق الہند میں پھیلا

ہوا ہے، کے ہاں اس کا قتل کرنا لازم ہے۔

امام عظیم دجن کا قانون اسلامی ہندوستان ہمسر

کابل وغیرہ ممالک میں مقبول ہے، کا نظریہ یہ ہے کہ اسکو

قید کیا جاوے۔ تاہم وہ اس فعل سے توبہ کرے۔ یا اسطرح

اپنا امام دامیر مقرر کر دیں۔ اور دوسرا اس کی اطاعت میں نماز ادا کرے۔ یہاں بھی جبکہ پوری قوم رات دن میں پانچ دفعہ ایک ہی مقام (مسجد) میں پوری ترتیب سے صف بندی کر کے ایک ہی امیر (امام مسجد) کی اطاعت میں اپنی تمام حرکات و سکنات کو ادا کرے گی۔ تو اس میں قوم تنظیم، اطاعت امیر کا جذبہ پورے طریقہ سے موجود ہوگا۔ نماز میں اطاعت امیر کا مسئلہ نہایت ہی قوت اور اہتمام کیساتھ سمجھایا گیا ہے۔

(۵)۔ مساجد - دنیا کی کسی قوم میں یہ چیز موجود نہیں ہے کہ اس کے امیر اور غریب ایک ہی جگہ اور مقام پر اللہ کی عبادت کر سکیں۔ مگر صرف اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ اس میں امیر، غریب، غوث اور بدکار سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں۔ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑی ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

کوئی ناراضگی ہوگی تو ضرور ایسی پاک جگہ آئے پر اور عبادت میں اکٹھے ہونے پر وہ رنجش دور ہو جائے گی۔ جب وہ کم از کم دس دفعہ اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کا پاک اور انوث سے بھرا ہوا پیغام بھیجیں گے تو ان کے دلوں سے ضرور نفرت اور دشمنی دور ہوتی جائے گی۔ پھر ہفتہ میں ایک دفعہ سارے گاؤں کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ تاکہ سارے گاؤں کے لوگوں میں محبت اور الفت پیدا ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس عید کی دو دنوں نمازوں میں ارد گرد کے سارے دیہات کے لوگ قریبی شہر کی عید گاہ میں نماز ادا کریں۔ تاکہ سارے علاقے کے لوگوں میں انوث اور اتحاد کا مظاہرہ پایا جائے۔ ان تمام اجتماعوں میں ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی وجہ سے ان کے غم میں شرکت۔ پھر جو مسلمان مسجد میں یا عید گاہ میں نہ آئے ہوں ان کے متعلق پوچھنا۔ یہ تمام وہ امور ہیں جن سے ہمدردی اور بھائی بندی کی مفید ترین رسم قائم ہو سکتی ہے۔

(۳)۔ صحت ورزش بہرہ بخش رات دن میں پانچ دفعہ مسجد کو آئے۔ اور وہاں وضو کرے۔ پھر کم از کم چھتیس دفعہ اسی طرح اٹھے بیٹھے کہ اس کے جسم کے سارے اعضاء کو پوری حرکت آجائے۔ تو کیا اس کا یہ کھڑا ہونا، جھکنا، زمین پر پوری قوت سے سجدہ کرنا یہ تمام امور اس کے جسم میں قوت اور طاقت نہ پیدا کر دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے سستی اور کاہلی کی حالت میں نماز ادا کرنا منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى (النساء - ۱۱۴) اور جب کھڑے ہوں نماز کو کھڑے ہوں جی ہارے۔

(۴)۔ تنظیم۔ مسلمان کو یہی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ وہ ہر حال میں منظم ہو۔ اگر دو آدمی بھی ہوں۔ تو ان کو چاہئے کہ ایک کو

سرخ نشان

ماثرہ میں سرخ نشان لاند چننم ہونیک کی علامت ہے۔ آئینہ اہکار سالہ بندیہ دی۔ پی ارسال ہوگا جس کے زائد مزاجات ہے۔ بچے کیلئے بہتر صورت ہے کہ آپنا چنہ بذریعہ منی آڈر بھیجیں خریداری منظور ہو تو اطلاع دیں۔ خدا راوی۔ پی واپس فرما کر ایک سلامی اٹلے کو ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلا مرحسین منیجرا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسلمان ملکوں کی پہلی اقتصادی کانفرنس

(ادامہ)

شکستیں دیتا چلا جا رہا ہے۔ مگر مسلمان ہے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا رہا ہے، ذلتوں پر ذلتیں سہہ رہا ہے، شکستوں پر شکستیں کھا رہا ہے۔ مگر جس بیداری، ہوشمندی اور تیاری کی ضرورت ہے اُس کا ثبوت نہیں دیتا۔ خوراسی کامیابی پر بھول جاتا اور داو عیش دیتے لگتا ہے۔ اس بد بخت مسلمان کو آج تک اپنی زندگی کا احتساب کرنا، اپنی غلطیوں، غفلتوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لینا، انکی اصلاح و تلافی کرنا اور اپنی مذہبی، سیاسی، معاشی، صنعتی، تہذیبی اور تعلیمی حالت کو درست کرنا نہ آیا۔

مالک اسلامیہ میں اللہ کے فضل و کرم سے بڑے بڑے مفکر، ادیب، شاعر، ناقد، قائد، عالم، فاضل فلسفی، لیکچرار، لیڈر، صحافی، امیر، وزیر اور مشیر موجود ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک ترقی پذیر، فعال اور عقلیت پسند مذہب ہے۔ اس دنیا میں اس کا مقصد اجتماعی عدل و انصاف کا قیام ہے۔ وہ اسلام کی حقانیت اور اسلامی اصول زندگی کی افادیت پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ مگر وہ اپنے ایمانوں کا جائزہ نہیں لیتے اور کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کرتے کہ ہم خدا خواستہ صرف نام کے اور قومی مسلمان ہیں۔ یا واقعی اور حقیقی مسلم ہیں؟ یہ اپنے دماغوں کو نہیں ٹھونکتے، اپنے دلوں کو نہیں دیکھتے اور اپنی زندگی کو اسلام کی کسوٹی پر نہیں

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ انگریز جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ایک مہینہ پہلے سوچتا اور پروگرام بناتا ہے۔ ہندو جب کوئی اہم قدم اٹھانا چاہتا ہے تو ایک ہفتہ پہلے سوچتا اور منصوبہ بندی کرتا ہے۔ سکھ جب کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہے تو کام کر چکنے کے بعد سوچتا اور ہاتھ ملاتا ہے۔ اور مسلمان جب کوئی اہم فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو ایک دن پہلے سوچتا ہے۔ مگر ایک دوسری روایت ہے کہ جب سر پر پڑتی ہے تو عین وقت پر سوچتا ہے۔ جب کچھ پیش نہیں جاتی تو اپنی خفت مٹانے کے لئے زمانہ کو بڑا کستا، تقدیر کا شکوہ کرتا، حالات کی ناسازگاری کا رونا روتا اور دوسروں کی دشمنی اور ظلم و جور کا ڈھنڈو راپیتا ہے۔ اگر خود ہی سہی راحت، ترقی، کامیابی اور سکون میسر آجائے تو غفلت کی چادر تان کر سو جاتا ہے۔ جب زمانہ کی ٹھوکریں بیدار کر دے تو پھر ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی ماضی کی ڈینگیں مارنے لگتا، جذباتی نعروں میں کھوجاتا، اغیار کی دشمنی کی بنیاد پر اپنی قیادت کی دوکان لگانا، سستی شہرت حاصل کرتا، عوام کو بدھو بناتا اور عیش و عشرت کے سامان مٹا کر کے پھر سو جاتا ہے۔ صدیوں سے وہ دنیا والوں کو یہی نمائش دکھا رہا ہے اور اضحوک و روزگار بنا ہوا ہے۔ کافر صدیوں سے اپنی بیداری، ہوشمندی، فکر و تدبیر کی بلندی و عزم و عمل کی توانائی اور ایثار و قربانی سے اُسے شکستوں پر

پرستیوں میں بچنس گئے۔ دوسری طرف کافر و مشرک قہ میں علم و عقل، تحقیق و انکشاف، ایجاد و اختراع، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور دولت و قوت میں ترقی کی منزلیں طے کرتی رہیں۔ سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے مضبوط و توانا ہو گئیں۔ خوشحالی و فارغ البالی کی مالک بن گئیں۔ اور مسلمان ان کی خوشامد و چاہلوسی، انکی خمیہ برداری اور ان سے دریودہ گری پر مجبور ہو گئے۔ اور ساری دنیا میں مادی پرستی و بے دینی کا طوطی بولنے لگا۔

ممالک اسلامیہ کے برسرِ اقتدار طبقوں اور اربابِ حل و عقد نے کبھی بھی کفار کی اقتصادی غلامی سے نجات پانے کا فکر و اہتمام نہیں کیا۔ تمام ممالک خواب غفلت میں پڑے سوتے رہے۔ اغیار انکی زمینوں سے قدرتی ذخیروں کو نکال نکال کر انکی کو اپنی انگلی پر سجاتے اور اپنی قوت سے کھلتے رہے۔ دشمنوں سے ساز باز کر کے اپنی کاسر بھوڑتے رہے۔ حرص و ہوس کے پتکے اور عروج و جاہ کے بھو کے اپنے حریفوں پر بھی نگہ کئے رہے۔ انکے سفید آقا ان کو اپنے قدموں سے روندتے رہے گر یہ امنی کے قدموں میں ٹوٹتے رہے۔ ان اللہ کے بندوں کو کبھی توفیق نہ ملی کہ یہ اپنی ملی، سیاسی اور معاشی زندگی کھکھ اہم اور بنیادی مسائل کو بطور خود سمجھیں، اپنی فکری قوتوں سے کام لیں اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ کریں۔ اور اپنی موجود غفلتوں، کوتاہیوں، پس ماندگیوں، نا طاقتیوں اور مجبوریوں کا پورے طور پر جائزہ لے کر تلافی یافتہ کے لئے کوئی ٹھوس تعمیری اور اصلاحی قدم اٹھائیں بلکہ حکومت و اقتدار اور راحت و آسائش کے پجاریوں نے ہمیشہ اہم و بنیادی مسائل پس پشت ڈال کر اصل مسائل حیات سے مسلمانوں کو غافل رکھا۔

پہرہ کہتے کہ اللہ و رسول کی تمام باتوں، انکے وعدوں اور انکی وعیدوں پر خود ان کا ایمان ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث نے اچھے و بُرے اعمال کے دنیوی و آخروی نتائج کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس پر ان کا پورا یقین ہے یا نہیں؟ بالخصوص اس عالم اسباب، قوموں کی زندگی اور موت، عزت و ذلت اور فتح و شکست جو اصول و قوانین اور اسباب و علل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں بیان کئے گئے ہیں ان کے دل و دماغ انکو حق ماننے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟

ان امور و مباحث کی طرف کوئی لیڈر، کوئی صحافی، کوئی وزیر، کوئی مشیر اور کوئی گورنر دھیان نہیں دیتا۔ بس قوم کو قرار دادوں، تقریروں، جذباتی نعروں، ہنگامی کانفرنسوں اور وعدوں سے بھلا رکھا ہے۔ اسلام کا نام لیکر جذباتی یاقین کرنے، بے دماغ اور زود اعتماد عوام کو خوش کرنے اور انکو اسلام کے طلسمی خواب میں مدبوش کر کے بھوکا نکلا رہنے پر مجبور کر دیئے گا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ معلوم نہیں عوام کے ساتھ اسلام کے نام پر یہ مذاقی کب تک ہوتا رہے گا۔

ذرا غور فرمائیے آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو روحانی و جسمانی قوت و توانائی و دنیوی ترقی و کامرانی اور آخروی نجات و کامیابی کے تمام گڑ اور اصول و قوانین واضح طور پر سمجھا دئے تھے۔ انکی بنیاد پر خلافت راشدہ کا نظام عالم و جود میں آکر اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر، سیاسی نظریہ اور اقتصادی پروگرام بھی ان کے سامنے موجود تھا مگر قرآن پر ایمان رکھنے والوں اور اسلام کے دھویاروں نے اس کو پس پشت ڈال کر یا تو پڑے سوتے رہے یا ہوش میں آئے تو عیاشیوں اور نفس

تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے کہ دنیا کی جملہ مہذب و متہذبن اقوام کو موجودہ دور ترقی و کامیابی تک پہنچنے کے لئے مختلف مدارج طے کرنے پڑے ہیں۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کوئی واقعہ بلا سبب ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ لہذا لامحالہ مسلمانوں کے موجودہ مالی اور اقتصادی تنزل و انحطاط کے بھی کچھ نہ کچھ اسباب ضرور ہیں۔ پس اس سے پہلے کہ ہم موجودہ حالات پر غور کر کے کوئی اقدام عمل کریں یہ لازمی ہے کہ اُن سابقہ اسباب کا کھوج لگائیں جن کے نتائج کا آج ہمیں سامنا ہے۔ اگر اُن کا بروقت اندازہ نہ ہو سکا تو آئندہ چل کر وہ نتائج اور ریاؤں بدتر شکل میں رونما ہوں گے۔

واقع ہو کہ موجودہ متہذبن دنیا تہذیب و تمدن کے مختلف ادوار سے گذر کر موجودہ دور میں پہنچی ہے۔ ہر دور میں ایک مخصوص معیار قابلیت مانا جاتا رہا ہے۔ جو فقہا و زمانہ کی مناسبت سے بدلتا رہا ہے۔ مثلاً قوت جسمانی، شرافت نسبی، علوم و فنون اور سرمایہ داری موجودہ دور دور سرمایہ داری ہے۔ ابتداء میں معیار قابلیت قوت جسمانی کو سمجھا جاتا رہا۔ اس کے بعد شرافت نسبی کا معیار قائم ہوا اور جمیعت قومی نے کارہائے نمایاں دکھا۔ اس کے بعد علوم و فنون کا دور آیا۔ آخر کار اب دنیا میں مستقل معیار سرمایہ داری ہے۔ آج دنیا میں جتنی بھی متہذبن و ترقی یافتہ قومیں ہیں وہ انہی مترلوں سے گذر کر سرمایہ داری کے مقام تک پہنچی ہیں۔

مسلمانوں نے قوت جسمانی، شرافت نسبی اور علوم و فنون میں تو اپنی قابلیت اور برتری کے خوب خوب جوہر دکھائے دیگر اقوام سے آگے اور مقابلہ میں غالب رہے۔ قوت جسمانی، شرافت نسبی اور علوم و فنون نے

انکو پیچھے اور پاپا نہ ہونے دیا۔ مگر یاد رہے کہ ان کے اس غلبہ اور برتری میں صرف انہی تین عناصر کو دخل نہ تھا۔ بلکہ ان سے فائق تر وہ ایک چوتھی قوت کے بھی مالک تھے اور وہ ایمان و اخلاق کی قوت۔ یا یوں کہو کہ روحانی قوت تھی جسکی وجہ سے آسمان سے اُتھر رحمتوں کی بارش ہوئی، زمین نے اپنے خزانے اُگل کر انکے قدموں میں ڈھیر کر دیے۔ اقوام عالم نے انکے قدم چومے اور دنیا بھر کی مخالف و مزاحم طاقتوں نے اُن کا لوہا مانا۔

یاد رکھیے دنیا میں جتنے بھی معیارات ترقی رہے ہیں وہ سب تغیر پذیر اور وقتی چیز تھے۔ دوسری قوموں نے انہی کے بل بوتے پر ترقی کی۔ مگر مسلمانوں کا عہد درہن صرف انہی اصولوں کا مہیون منت نہ تھا بلکہ ان کا اپنا ایک مخصوص اور مستقل معیار ایمان و اخلاق تھا۔ جس کے ماتحت تمام ترقیات کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر جب سرمایہ داری کا دور آیا تو تمام دنیا کے مسلمان اس عام معیار اور اپنے مخصوص معیار ایمان و اخلاق سے گر گئے اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکے اور وہ پیر و روز گرتے جا رہے ہیں آج ساری دنیا کے مسلمان مالی و اقتصادی تنزل کا شکار ہیں۔ جہاں جہاں وہ غلام ہیں وہاں بھی افلاس و در ماندگی میں ممتاز ہیں۔ اور جہاں جہاں ان کی حکومتیں ہیں وہاں بھی ان کی یہی حالت ہے۔

ان کی بڑی بڑی سلطنتیں مملکت خداداد پاکستان ٹرکی، مصر اور ایران ہیں۔ یہ چاروں سلطنتیں اپنی کم مانگی کا شکار ہیں۔ دیگر اقوام کی سرمایہ داری اُن پر غالب ہے۔ اپنی زراعتی و صنعتی ترقی میں وہ دوسروں کی محتاج و دست نگر ہیں۔ چونکہ ان کے پاس اتنا ذاتی اور قومی سرمایہ

نہیں کہ ان کی تمام ملکی و ملی ضرورتیں اور منصوبہ بندیوں کے لئے کٹھی ہو سکے۔ اسوجہ سے بروقت ضرورت ان کو دیگر سرمایہ دار اقوام کا مجبوراً دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ جس وجہ سے انکی آزادی و خود مختاری سلب ہوتی اور سیاسی خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے اب صدیوں کی ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ مجبور ہو گئے ہیں کہ اپنی گرتی ہوئی مالی و اقتصادی حالت کو سنبھالیں۔

مگر افسوس کہ انکی نظر ابھی تک اس حقیقی کمزوری تک نہیں پہنچ رہی۔ کہ اسکی کیا وجہ کہ اسنے قوائدماغی و جسمانی مضبوط اور اچھے نہیں۔ اس حیثیت سے وہ محاصرہ اقوام سے کیوں پست و کمزور ہیں؟ اور اس کمزوری کو توانائی سے بدلنے کے لئے فوری عملی اقدام کیا کرنا کرنا چاہئے۔ مسلمان ممالک کی اس کمزوری کو مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط مدیر زمزم نے ۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کے اپنے افتتاحیہ میں یوں بیان کیا تھا:

ایران کی شہرک بنائیں انگلستان کے انجینئر، کان کنی کا کام سنبھالیں یورپ کے ماہرین، آبپاشی اور نہروں کا نظام کریں مغرب کے آزمودہ کار، روشنی کا محکمہ قائم کریں سفید فام باشندے طبقات الارضی تحقیقات اور محاذوں کی دریافت کا کام کریں یورپ کے ٹھیکیدار، اسکول اور شفاخانے قائم کریں مغرب کے عیسائی مشنری، درسگاہوں میں تعلیم دیں جزائر برطانیہ کے مستشرقین۔ اس کے بعد اسلامی ممالک کے ہاتھ میں کیا باقی رہ گیا؟

اس کا جواب اپنی ہو سکتا ہے کہ ان کے حصہ میں آگئی فیشن پرستی، سفید فام آقاؤں کی غلامی اور اقوام یورپ کی محتاجی۔ اسی سبب سے انکی برائے نام آزادی و خود مختاری بھی کالعدم اور سوہان روح بکر باقی رہ گئی۔ اس کمزوری، محرومی، نااہلی اور محتاجی پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قدرت قیاضہ جلیلہ نے مسلمانوں کو علم و عقل، فکر و تدبیر اور تحقیق و انکشاف کی ذہنی صلاحیتیں اور عملی قوتیں مرحمت نہیں فرمائی تھیں؟ کیا یہ تمام صلاحیتیں اور قوتیں اقوام یورپ کو ہی عطا کی گئی تھیں؟ مسلمانوں کے ارباب علم و دانش اور مدعیان قیادت و رہنمائی کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو کسی دشمن نے قید کر رکھا تھا؟ سوچنے سمجھنے کی قوت پر پیرے بیٹھے ہوئے تھے اور غلامی نے انکی عقلوں کو ان سے چھین کر مقفل کر رکھا تھا؟ اور پھر اس حالت میں کہ وہ قرآن پاک پر ایمان بھی رکھتے تھے اور اس یہ اعلانات اور ہدایتیں بھی انکو سامنے تھیں:

(۱) ان کے لئے دنیا کی زندگی کی بھی بشارت ہے اور آخرت کی بھی۔

(۲) ہم انکو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔

(۳) دنیا میں جو تیرا حصہ ہے اس کو فراموش نہ کر۔

(۴) اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا کی اچھاٹی بھی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔

(۵) جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف پائے گا۔

(۶) ہر ایک کی ہم مدد کرتے ہیں انکی بھی و طالب دنیا کی بھی، اور انکی بھی (یعنی طالب آخرت کی بھی)، بخشش ہے آپ کے رب کی اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

(۷) غذائی ذخیرے، ناپ تول کر رکھ دے سکے اندر۔

(۸) برابرے تلاش و جستجو کر فیو الوں کے لئے۔

(۹) اور اللہ کے فضل کو ڈھونڈو۔

(۱۰) نہیں ہے آدمی کے لئے مگر وہی جو اس نے کمایا اور قطعاً اپنی کمائی کو قریب ہے کہ دیکھے گا۔

(۱۱) کمدیجھے اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی، اور کھانے کی پاک چیزیں۔ کمدیجھے یہ تو انہی لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں خاص طور پر قیامت کے روز اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں ان کے لئے جو مسلم رکھتے ہیں۔

(۱۲) کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ نہیں معلوم ہوتا کہ سمجھیں کوئی بات۔

(۱۳) پس کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟

(۱۴) تاکہ وہ غور کریں، تاکہ وہ عقل کریں، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اسی قسم کی ہدایتوں، نصیحتوں اور اعلانات سے قرآن حکیم لبریز ہے۔ پھر قریباً سات سو آیتوں میں مسلمانوں کو کامیابی کی چیزوں پر غور و فکر کرنے اور اشیاء عالم سے استفادہ کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ تسخیر کائنات پر بار بار ابھارا گیا ہے عقل سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ حکمت و دانائی کو مومن کی کم شدہ دولت بتلایا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی و قرآن کو مضبوط پکڑ لو۔ پھر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت و ہدایت تھی کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جینک تم انکو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے ان تمام ہدایات کو

پس پشت ڈال دیا۔ قرآن و سنت کو بالائے طاق دھریا۔ اسلامی اصول حیات سے منہ موڑ لیا، نتیجہ یہ کہ دماغ ٹوٹ ہو گئے عقلیں مسخ اور بیکار ہو گئیں، علوم و فنون میں اور تحقیق و اکتشاف میں مادہ پرستوں سے مات کھا گئے۔ اسی لئے عالمگیر مالی اور اقتصادی تزلزل میں مبتلا ہو گئے۔ اور کفار کی غلامی و محتاجی ان کا طرہ امتیاز بن گئی۔ کیا خوب کہا ہے علامہ ابن قیمؒ نے دراج السالکین میں۔

سبحان اللہ ما ذا حرمہ المعصرون عن نصوص الوحی و اقتباس العلم من مشکاۃ من کنوز الذخائر و ما ذا فاتہم من حیات القلوب و استنساۃ البصائر۔ سبحان اللہ نصوص وحی سے منہ موڑنے والے اور مشکاۃ قرآن سے اقتباس نہ کرنے والے سعادت دارین سے کس قدر محروم ہیں۔ اور دلوں کی زندگی اور بصیرت کی روشنی ان سے کس قدر ضائع ہو گئی ہے۔

در حقیقت مسلمانوں کا مالی و اقتصادی تزلزل اور کفار کی اقتصادی غلامی و محتاجی ایک عذاب ہے۔ جو مسلمان ممالک پر اس لئے نازل ہوا کہ انہوں نے نصوص وحی سے منہ موڑا اور کتاب و سنت کو پس پشت ڈالا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مسلمان خلافت راشدہ کے نظام کے درہم و برہم ہونے کے بعد سے لیکر آج تک اسلام کے عقلی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی نظام کا بائیکاٹ کئے ہوئے ہیں۔ قرآن پر ایمان رکھنے والوں نے اس کے مقابلہ میں یورپ کے سیاسی و اقتصادی نظام کو ہرجگہ قائم کر رکھا ہے۔ اور کفار و مشرکین اور مادہ پرستوں کی طرح یہ بھی دنیا میں سیاسی مظالم، اخلاقی مفاسد اور معاشی ناہمواریاں

پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے یہاں بھی مزدور و سرمایہ داری کے کشمکش اسی طرح برپا ہے۔ جس طرح کافروں کے ملکوں میں۔

اسلام کے سیاسی و معاشی پروگرام سے اعراض و انحراف تو مسلمانوں کا اصلی مرض ہے ہی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تاریخ کو بھی غلط رنگ دے رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی تاریخ سے بھی مالی و اقتصادی زبوں حالی کا سبق سیکھا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد باطنی و مادی و دینی چاند مسلمان بادشاہوں کے انہوں نے انہوں نے اپنے عہد حکمرانی سے جو بدہنیت و تاثر حاصل کیا اقتصادی بدحالی میں اسکو بھی دخل ہے۔ وہ آج تک اپنے عہد حکمرانی کے جاہ و جلال اور ترک و احتشام کے گیت گارہے ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس سے انہوں نے کیا حاصل کیا ہے ہمارے پڑھے لکھے اور تاریخ دان حضرات کی نگاہوں کو خلفائے عباسیہ اور سلاطین مغلیہ کے شاندار کارنامے تو خیر کر رہے ہیں۔ مگر خلافت راشدہ کے ایمان افروز کارنامے انکی نگاہوں میں وہ قدر و قیمت نہیں رکھتے کہ اپنی سیاسی و معاشی زندگی کو ان کے مطابق بنالیں۔

خلفائے عباسیہ اور سلاطین مغلیہ کو حد سے زیادہ اہمیت دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی معمولی شان و شوکت اور ترک و احتشام سے راعی و رعایا یعنی تمام مسلمان اسراف بیجا، نام و نمود، حرص و ہوس اور دنیا پرستی کے خوگر ہو گئے۔ عہدوں کا عشق، طُردوں کا نشہ، جاہ طلبی کا مرض، عہدہ خوراک اور نفیس پوشاک ان کی عادت میں داخل ہو گئی۔ ان کی عام معاشرت نے ایک ایسا بلند پایا معیار اختیار کر لیا جس کیلئے وافر دولت اور اخراجات کبیر ایک جزو لاینفک بن گئے۔ اور آج

لا محدود اور آمدنی محدود ہوتی گئی۔ پھر جب انگریز آئے اور مسلمانوں نے اندھا دھند انکی تہذیب و معاشرت اختیار کی تو اس عادت میں اور بھی زیادہ پختگی آگئی۔ یہ خرابیاں اور بھی زیادہ تباہ کن اور عام ہو گئیں۔ کفایت شعاری اور پس اندازی کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہ کی۔ صرف زمینداری اور ملازمت پر دار و مدار رہا۔ نتیجہ یہ کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو مالی و اقتصادی تنزل نے چاروں طرف گھیر لیا۔

جیتنگ مسلمانوں کی سلطنت قائم رہی اسوقت تک تو مسرفانہ عادات و خصائص پر غفلت و لاپرواہی کا پردہ پڑا رہا۔ لیکن جب سلطنت زائل ہو گئی تو غلامی کی زندگی میں یہی عادتیں اور بھی زیادہ ان کے حق میں سم قاتل بن گئیں۔ خورد و نوش اور شادی و عہمی کے وہی سابقہ اخراجات قائم رہے۔ آمدنی کم اور خرچ بدستور رہا۔ زمینداریاں ان کے ہاتھ سے نکلتی گئیں، ملازمتیں غنقا ہوتی گئیں، قحط اور گرگیاں ان کی مالی حالت اور بھی زیادہ سقیم بناتی رہیں۔ اور مسلمان بالعموم افلاس میں مبتلا ہو گئے۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو افلاس و بے مانگی نے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر رکھا ہے، ایک عام مردنی تمام ممالک کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے۔ کسی قسم کا دلولہ اور حوصلہ ان میں باقی نہیں رہا۔ یہ حالت دیکھ کر دنیا کے صحاح نظر اور درد مند مدبر مسلمانوں کے مستقبل سے مایوس ہیں۔ اعلیٰ اسلام یہ تہیہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیں۔ اگر چشم بنیا ہو تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے کیسی کیسی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مقام

طریقے زیر غور لائے جائیں گے۔ ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔

اس سارے پروگرام کی اس احساس پر ہے کہ آج اسلامی ممالک سیاسی طور پر آزاد ہیں۔ لیکن معاشی طور پر دوسروں کے غلام ہیں۔ اور اس زمانہ میں سیاسی آزادی، معاشی آزادی کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس اسلامی ملکوں میں جو زرعی نظام ہے اس کو بدلا جائے۔ پیداوار بڑھانے کے سائنٹیفک طریقے رائج کئے جائیں۔ صنعت و حرفت کے اجراء اور انکو فروغ دینے پر توجہ اور زور دیا جائے۔ الغرض مادی زندگی کو بہتر بنانے کے تمام اسباب و وسائل دیتا کئے جائیں۔ اور جاگیر داری کا خاتمہ کیا جائے۔

الحمد للہ کہ مسلمان مفکروں اور مدبروں کو صدیوں کے خواب غفلت کے بعد ہوش آیا۔ صبح کا بھولا اگر شام کو گھرا جائے تو اس کو بھولا نہیں کہنا چاہئے۔ اللہ کرے مسلمان ملکوں کی یہ بیداری و تیاری انکی اپنی ہوشمندی و خود داری پر مبنی ہو۔ اور وہ ان خوش آئند دعووں پر عمل بھی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے اپنے ملکوں کے عوام کو صرف کاغذی پروگرام میں ہی ٹر خادیں۔ اور عوام سبحان اللہ و بحمدہ کہہ کر ہی نہ رہ جائیں۔ اسوقت مسلمانوں کو باتوں اور پروگراموں کی نہیں بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ اگر اقتصادی کانفرنس کا سارا کاروبار محض انجمن سازی اور پروگرام بازی ہی کی حد تک رہے تو پھر اصلاح حال کی کوئی صورت رونما نہ ہوگی۔ نشستند و گفتند و بیضا سند کا زمانہ گزر چکا۔

افسوس کہ ہمارے رہنماؤں اور مدبروں کی نگاہیں نصوص و حتیٰ تک نہیں پہنچ رہیں۔ کاش اس کانفرنس میں یہ طے کیا جاتا کہ معاشی و معاشرتی ترقی کی بنیاد اسلام کے

مہرت ہے کہ وہ قوم جس کی ہدایت سے کل تک دوسری قومیں لرزہ بر اندام تھیں۔ آج خود دوسری قوموں سے محبوب و ہدایت زدہ ہے۔ ہر قسم جو اٹھتا ہے وہ اسی کو تلاش کرتا ہے۔ اب تک تو مسلمانوں کو یقین ہی نہیں تھا کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس حد تک ذلیل و خوار ہو چکے ہیں کہ آنکی برائے نام آزادی و خود مختاری بھی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن پیہم مصائب اور زمانہ کے زبردست طمانچوں نے اب ایک حد تک ان کو یقین دیدیا ہے کہ انکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس لئے وہ دیوانہ وار ہر طرف ہاتھ مار رہے ہیں اور اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چنانچہ ۲۵ نومبر کو مسلمان کو ملکوں کی پہلی اقتصادی کانفرنس کا افتتاح کراچی میں بڑے مطلق، خوب صورت حیات انگیز اور روح پرور انداز سے کیا گیا۔ اقتصادی کانفرنس کے نام سے ایک مستقل انجمن عالم وجود میں آئی۔ جس کی صدارت کا قمر عباس عورت آب مسٹر غلام محمد کو منتخب کیا۔ سیکرٹری جنرل کا عہدہ جلیلہ مسٹر حسین ملک کے حصہ میں آیا خازن ایک ایرانی مندوب بنایا گیا۔ اس طرح ۱۶ مسلمان ملکوں نے ثابت کر دیا کہ پاکستان اس وقت تمام عالم اسلام کا رہنما اور سردار ہے۔

اس عظیم الشان کانفرنس میں جو پروگرام مرتب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا اجلاس ہر سال ہوا کریگا۔ اس کا ایک صدر دفتر ہوگا۔ مسلمان ملکوں اور ان میں بسنے والوں کے اقتصادی، معاشی اور معاشرتی حالات کے متعلق اعداد و شمار فراہم کئے جائیں گے۔ ان ملکوں کا معیار زندگی بلند کرنے کے اسباب و ذرائع معلوم کئے جائیں گے۔ ان کو ترقی دینے کی تجویزوں پر غور کیا جائے گا۔ ترقی اور اقتصادی بہتری کی سکیموں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ فنی اور سائنٹیفک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترک اسلام کے فدائی اور جانثار ہیں

اسلامی قتصادی کانفرنس میں کی وفد کا اعلان

(از جناب مولانا کشف الدجی بجمالہ بقلم خود)

کیا چیز ہے؟ سمجھ میں آیا کہ یہ ترکیہ ترکی کی گھر والی ہی ہو سکتی ہے۔ شاید اس کا یہی مطلب ہے۔ ہاں تو ارشاد ہوا ہے کہ ”ترکیہ میں مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں“ یعنی یہ دلیل محکم اور روشن ثبوت ہے اس بات کا کہ ترکی کے مسلمان بچے دیندار ہیں۔ اور اسلام کے فدائی۔ کیا کہنے ہیں اس اسلام دوستی اور علم و فکر کے کہ ترکوں نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا۔ اب فراتے ہم تجاہل عارفانہ برتیں یا عالمانہ کہ اسلام جو گیوں، راہبوں، سناسیوں اور گوشہ نشینوں کا مذہب ہے۔ وہ بھی دیگر مذاہب کی طرح صرف چند عقیدوں، عبادتوں اور رسموں کا مذہب ہے۔ اس کے نزدیک سیاست ایک شجر ممنوعہ ہے۔ اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ مسلمان پابند صوم و صلوة ہو جائیں اور مذہب کو سیاست میں ٹانگ نہ اٹانے دیں۔ اور اگر وہ سچے اور کامل مسلمان بننا چاہتے ہیں تو سیاست کا فرد سے سیکھیں۔ بھٹی مشرمتاز نے کمال کر دیا۔ ترکوں کے بچے دیندار ہونے کا وہ ثبوت ہم پہنچا یا ہے۔ جس کا انکار دنیا بھر کے مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔ اگر علامہ اقبالؒ یہ فرما گئے ہیں کہ ”جدا ہو دیں سیاست تو وہ جاتی ہے چنگیزی“

ہم اپنی نادانی سے آج تک یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ترکی میں تمام مذہبی ادارے توڑ دئے گئے۔ مساجد مسمار کر دی گئیں۔ اور مذہب کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ مگر مشرمتاز قادیانوی او غلو نے یہ اعلان کر کے کہ ترکی میں عام طور پر لوگ پابند صوم و صلوة ہیں، ان کی مسجدیں آباد ہیں، وہاں ان میں پلنچ بار اذان اور تکبیر کی آوازیں گونجتی ہیں اور ترکی کے مسلمان بچے دیندار ہیں، ہمیں دریائے حیرت میں غرق کر دیا۔ اللہ جزائے خیر دے مشرمتاز کو جنہوں نے ہمیں ایک بہت بڑی غلط فہمی سے نجات دی اور ہماری معلومات کی آنکھیں کھول دیں۔

ابھی ہم مشرمتاز کے اس بیان و اعلان پر ایمان لانے والے ہی تھے اور سبحان اللہ و بحمدہ کا غرہ لگا بیٹھے تھے کہ ہمارے دل و نگاہ نے ہماری زبان پر ٹولی اور ہمیں ٹھوکر سے بچا لیا۔ غریب اسلام پکارا کہ مولانا ذرا اس بیان و اعلان کا اگلا حصہ تو پڑھتے؟ اور جلد بازی و بدحواسی کا ثبوت نہ دیتے۔ چنانچہ ہم نے اس پکار کو سنا اور بسم اللہ کے آگے بڑھے تو ارشاد ہوا کہ

ترکیہ میں مذہب کی سیاست کوئی واسطہ نہیں یہ ترکیہ کی ایک ہی کمی اور ہم نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ ترکیہ

تو رہ جایا کرے ترکوں کی جانے بلا۔ وہ ملاؤں کے اس فتوے کے قائل نہیں کہ جدید تمدن کی بے دین اور ملعون سیاست ایک دیو بے زنجیر ہے کہ جدھر رخ کرتا ہے مذہب، اخلاق، شرافت اور انسانیت کو پا بال کرتا جاتا ہے۔ اگر اس راستہ میں حق و صداقت اور عدل و انصاف حائل ہو تو اس کو کچا چبا جاتا ہے۔ اچھا ہوتا ترکوں نے سیاست کو مذہب سے الگ کر دیا۔ ورنہ انکی ذہانت و طباعی ترقی و کامیابی اور دینداری کا خون ہو جاتا۔ سچ، راحت میں جو مغل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا“

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے یہ ہمیں مجبوراً مذہب کو حکومت سے الگ کرنا پڑا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمیں ملاؤں کے ہاتھوں بے حد نقصانات اٹھانے پڑے۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجبوری کونسی تھی جس کی وجہ سے ہمارے ترک بھائی مجبور ہوئے کہ مذہب کو حکومت سے الگ کر دیں؟ وہ یہ کہ انہوں نے ملاؤں کے ہاتھوں سجدہ نقصانات اٹھائے۔ اگر ملاؤں نے انکو سجدہ نقصانات پہنچائے تھے تو انکو حق تھا کہ ملک و ملت کے غدار اور اسلام کے نادان دوست، جاہل اور نفس پرست ملاؤں کو پکڑ پکڑ کر ڈھائی ڈھائی دن کی پھانسی دیتے چلے جاتے۔ یا ان سب کو ایک بوری میں بند کر کے دریا برد کر دیتے اور اپنے ملک کو ان مذہبی ڈاکوؤں اور بلاؤں سے اپنے ملک کو پاک کر لیتے۔ مگر غریب مذہب نے ان کا کیا بگاڑا تھا کہ اس کو ایوان حکومت سے نکال دیا۔ اور حکومت کو بیوہ و لاوارث کر دیا۔ یہ اچھا علاج تھا کہ سر کے درد کے ساتھ سر ہی اڑا دیا۔ یہ عجیب انصاف تھا کہ جرم کیا داڑھی والے نے اور پکڑا گیا موچھوٹا

والا۔ اسی کو تو کہتے ہیں کہ بے کوئی اور بھرے کوئی۔

ترکی کے ارباب علم و دانش اور فکر و تدبر کا یہ شاہکار تھا کہ مذہب اور پیر و ان مذہب میں تمیز ہی نہ کر سکے۔ دونوں چیزوں کو ایک سمجھ لیا۔ اور اب اپنی اس حماقت آبائی و نادانی کو بڑے طعناور اور فخر کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

اس پر یہ ستم ظریفی اور دنیا نے اسلام کے زخموں پر نمک پاشی بھی ملاحظہ ہو:

ہم قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرتے

ہیں۔ اور اس کو مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

ہم نے قرآن کریم کو کبھی نہیں چھوڑا۔ ہمارا

عقیدہ ہے کہ قرآن شریف ہمیں تمام برائیوں

سے بچا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی رہنمائی کو صرف نماز روزہ تک محدود کر دینا، اس کے سیاسی و اقتصادی پروگرام کو نفرت و حقارت اور لاعلمی سے ٹھکرادینا، قانونی، دیوانی اور فوجداری اصول و قوانین کی بھیک اقوام یورپ سے مانگ لانا، قرآن کی مشعل راہ کو بھجا کر مسجد کے حجروں میں مقفل کر دینا اور پھر یہ اعلان بھی کرنا کہ ہم نے قرآن کو کبھی نہیں چھوڑا بڑی مضحکہ انگیز تفصیل دیا، جاہلانہ جسارت اور حرکتہ الادا بے خبری ہے۔ گویا یہ بڑوں کی باتیں ہیں۔ آج دنیا ٹر اسلام میں ایسے ہی بڑوں کا طوطی بول رہا ہے۔ اسلئے ہم مولانا کشف الدجی ڈور کے مارے مانے لیتے ہیں کہ بلیک ہمارے ترک بھائی قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ خود بالہ قرآن کریم کی رہنمائی یہ ہے چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو

یعنی قرآن کریم کی رہنمائی یہ ہے کہ نماز روزہ اسلام سے لو۔

مبلخین اسلام اور قرآن کو جیب میں رکھنے والے ۔
دینداروں کی شان میں حضرت اکبر الہ آبادیؒ نے کیا
خوب فرمایا ہے ۵

نہ وہ مسجد نہ جماعت نہ وہ ملا نہ دعا
نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ سبز نہ ہوا
نہ قناعت نہ توکل نہ وہ خود داری ہے
جاہ و شہرت کی تمنا میں گرفتاری ہے
کیا غرض مرکز تسبیح و دعا قائم ہو
بس یہ مطلب ہے کہ اک اپنی سبھا قائم ہو

بات اصل میں یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو ناز و روزہ سمجھ
آگے نہیں بڑھتے دیتے ، وہ اسلام کا نام محض اسلئے
لیتے ہیں کہ ان کی غیر اسلامی حکومتیں اور قیادتیں
قائم رہیں اور عوام دھوکے میں پڑے رہیں ۔ غیر سلاطی
حکومتوں اور قیادتوں نے دنیا بھر میں اسلام کو دبا رکھا
ہے ۔ ان حکمرانوں اور ان کے حامیوں نے مذہب کو
حکومت و سیاست سے اس لئے الگ کر رکھا ہے کہ
انکو اسلام کے قانون سیاست ، قانون معیشت ،
قانون جنگ اور قانون اخلاق کا علم ہی نہیں ۔ یہ
جانتے ہی نہیں کہ مذہب کسے کہتے ہیں اور دین سے
کیا مراد ہے ؟ اسلام ایک مذہب ہے یا دین ؟ ان کو یہ
بھی خبر نہیں کہ قرآن کی رہنمائی کیا ہے ؟ مگر قرآن کو ڈیوڑھی
میں ڈالے اسلئے پھرتے ہیں کہ دنیا والو کو بتلا سکیں کہ دیکھو
ہم نے اسلام اور قرآن کو اپنی جیبوں میں ڈال رکھا ہے ۔

انہیں اصل اسلام اور ملازم میں بھی تمیز نہیں ۔

یہ اسلام کی اصل خوبیوں سے ناواقف ہیں ۔ دین حنیف
کی سچائیوں سے نا آشنا ہیں ۔ اگر تھوڑی بہت واقفیت
ہے تو اس پر عامل نہیں ۔ انکی زندگی کے کسی شعبہ میں

اور صورتیں یا سیرتیں ، لباس ، طرز بود و ماند ، سیاسی و
اقتصادی افکار و نظریات اور علوم و فنون محدود اور
خدا کے باغیوں سے لے لو اور جب اپنے نفسوں کو دھوکہ
دینا اور عوام کو بدھو بنانا ہو تو اسلام کے فدائی بن جاؤ ۔
اپنی جیب میں سونے کی خوبصورت ڈبیرہ میں قرآن مجید
کو رکھو مگر اس کے علم و عمل کو اپنے نزدیک نہ آنے دو ۔
اور جب اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹنا ہو تو اخبارات کے
نمائندوں کو اپنی جیب سے نکال دکھا دو ۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اب اسلام ایسے نام نہاد
مسلمانوں سے بہت تنگ آچکا ہے ۔ اسلام کے خداؤں
اور پکے دینداروں سے اسلام پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اللہ
کے بندو ! اگر تم مجھے سمجھتے ہی نہیں تو میرا دم کیوں بھرتے
ہو ۔ خدا ار مجھے مذاق کرنا چھوڑ دو ۔ ایک طرف تو تم کہتے
ہو کہ اسلام پوری زندگی کا ضابطہ ہے ۔ اور دین حق ہی
زندگی کے جملہ مسائل حل کرتا ہے ۔ اور دوسری طرف تم
مذہب کو سیاست سے الگ رکھتے ہو ۔ اور سیاست
و معیشت میں طور طریقے اور اصول و ضابطے کا قرآن اختیار
کرتے ہیں ۔ یہ کیسی جاہلانہ اور احمقانہ حرکت ہے ؟
یہ کیسی مسلمانی ہے ؟

اسلام کی مدح و ثنا ۔ اور قرآن سے رہنمائی
لینے کا دعویٰ ۔ پھر بے دین سیاست کا اوڑھنا بچھونا ،
بے پردگی ، فحاشی ، آوارگی ، خوبصورت عورتوں کے
ساتھ بے حجاب رقص ، فنون لطیفہ کی دلچسپیاں ، عیش
و عشرت کی بیتاب تمنائیں ، دن و رات خدا کی نافرمانیاں
احکام شریعت کی پامالیاں اور اس پر یہ ایمان کہ قرآن شریف
ہمیں تمام برائیوں سے بچا سکتا ہے ۔ یا تو دیوانہ کی بڑبڑ
اور یا مسلمانوں کے ساتھ مسخرہ پن ۔ ایسے جاہل اور مغرب رو

علمی مذاکرہ

گذشتہ ایام میں انجمن تبلیغ الاسلام بڑھ را بھجھا کے اہتمام و انصرام میں دوروزہ تبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں کثیر علمائے کرام کے علاوہ حضرت مخدومنا المکرم مولانا محمد قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال پور نے بھی اپنے قدوم میمنت سے اراکین تبلیغ الاسلام بڑھ را بھجھا کو معطر فرمایا۔ اور کرسی صدارت کو زینت بخش کر جلسہ کی رونق کو دو بالا کیا۔

نجی مجلس میں حضرت سجادہ نشین صاحب سبیل شریف نے اپنی زیر تالیف کتاب ”کلیات“ سے علمائے کرام کو متعارف کرایا۔ اور اس کے حقائق و فوائد سے روشناس کراتے ہوئے ایک مسئلہ میں مولانا محمد حنیف صاحب سجادہ نشین کوٹ مومن سے اختلاف ہو گیا۔ اختلاف بغض و عناد پیدا کرنے والا نہ تھا بلکہ بفرمان سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اِخْتِلَافٌ اُمْتٌ بَیْ رَحْمَةٍ کا صحیح مصداق تھا۔ جس جو حق میں ہر دو بزرگوں کی اس مسئلہ میں خط و کتابت بھی ہوئی۔ جو کہ مولانا محمد حنیف صاحب نے ادارہ شمس الاسلام کو بھیج دی تھی جسے ہم تبرکاً و تمیناً بلا تبصرہ اہل علم و ادب باب بصیرت کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ اس سے مستفیض ہو سکیں۔

(اداسراہ)

ذوالجبرہ المکرم حضرت مخدومنا مولانا محمد قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف کا گرامی نامہ

{ ۲۸۷ }

بمحضرة الفاضل اللیب اللولوی محمد حنیف سلم اللہ تعالیٰ
 علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ وبعد فقد وصل الی کتا بکم
 الکریم المشتغل علی بعض ماجری بیننا فی المباحث۔ و انت
 تعلم من این ابتداء الکلام والی این اختتم۔ شرع الکلام من
 قولی ان العام مثل الخاص فی وجوب حکمہ قطعی فلا یختص
 الا بقطعی۔ ولا یخرج من حقیقۃ القطعیۃ الی الاحتمالات بالخبر
 الواحد والقیاس لانما ظہیان۔ واستشددت بقوله تعالیٰ
 واللہ بكل شیء علیم۔ ولله ما فی السموات و
 الارض و غیر ذلک۔ و جمعت ببارات الاکار باجست وانت
 یاخی سلکت علی مسلک القدیم و قلت واللہ بكل شیء علیم
 قتیۃ مخصوصۃ و جزئیۃ لان موضوعہ جزئی۔ فقیل لک
 ان القتیۃ الجزئیۃ لا مانع لہا ان تكون عاماً ایضاً وکلامنا
 فی امر العام۔ علی ہذا ان اللہ لیس بجزئی ولا بکلی لانه تعالیٰ
 شأنہ جاعل کلیات و الجزئیات۔ تعالیٰ عن الجنس
 والجمہات۔ لو کان اللہ سبجاء و تعالیٰ جزئیاً لاستلزم
 ان یكون الجاعل مجحولاً لذاتہ لان الجمع المعروف بالام
 یفید الاستغراق والعموم۔ واما قلت ان حکم العام فی
 باب الاحکام عام لانی انقص الامثال۔ فہذا قولکم

محمد صمد علیک بختم القرآن محل اللہ یدیک ویشرح صدرک
ثم اعلم ان نیتتی اذہ مارسلت الیک لان افعتک بل
لا نعتک علی انک تعجل یا بحباب قبل ان تعلق نظرک
بالخطاب و واتم بالخیر
الفقیر الی اللہ العزیز الشہیر بقبر الدین السیالوی غفر اللہ لہ

تکملہ

ولا یضرک استعجاک لان مدلول العام او الخاص
فی القسم الذی لا یرجع الی معرفۃ احکام الشرع غیر مدلول
العام والخاص اللذان فی القسم الاول ای فیما یرجع الی معرفۃ
احکام الشرع لان لفظ العام والخاص من محاورات العرب
ولغتهم والقرآن نزل بلسان عربی غیر ذی عوج فلا یحتاج
نظم معنی ومفہوم بالمعانیہ ومفہوماتہم والاختلاف بین
ائمۃ الاصول فی نظم الکلام ومعانیہ علی نیج محاورات
العرب کیف وقد ذکر الاصولیون فی الانحصار انہ الاقسام
بان المفہوم من الکلام لا یخلو من ان یکون راجعاً الی
نفس النظم فقط او الی غیرہ۔ فالاول هو القسم الاول والثانی
لا یخلو من ان یکون راجعاً الی تصرف النظم او الی غیرہ الخ۔
فہذا القسم والانحصار یدل علی ان الاقسام بسبب محاورات
العرب اختتمت بالاختصاص بکلام دون کلام (باقی آئینہ)

ہو بان یفیک علیہ الصبیان واللہ انی لا تحجب جداً
کیف یجترئ بدعوی التفضل فی العلوم غرا من الیکاد
ان یفہم معانی اوضح العبارات علیک ان تعلم الحسامی
فاستمع قال فی الحسامی اقسام النظم والمعنی فی ما یرجع
الی معرفۃ احکام الشرع اربعۃ الاول فی وجہ النظم صیغۃ
ولغۃ وہی اربعۃ الخاص الی ان قال والعام واما ما قال
فی النامی شرح الحسامی وغائیۃ التحقیق معترزا بقول
المصنف فی ما یرجع الی معرفۃ احکام الشرع لما لم یحصل
بہ معرفۃ الاحکام من القصص والامثال اذ ہو بحر عمیق
لا یقتضی عجائبہ ولا ینتہی غرائبہ فمعناہ ان اقسام النظم
والمعنی فیما یرجع الی معرفۃ احکام الشرع بسبب وجہ النظم
صیغۃ ولغۃ اربعۃ والایرجع الی معرفۃ احکام الشرع غیر منحصر
فی اربعۃ الاولی بحر عمیق لا یقتضی عجائبہ ولا ینتہی غرائبہ
فالانحصار فی الاربعۃ للقسم الاول لا یقتضی ان یکون القسم
الثانی ای ما لا یرجع الی معرفۃ احکام الشرع غیر مشتملہ علی
الخاص والعام و غیر ذلک من الاقسام انظر کیف ابرز
الشراح بلفظ عدم الانحصار للقسم الثانی فی اربعۃ الاقسام
الاربعۃ بان القسم الثانی غیر منحصر فی تلك الاقسام بل فیہ
اربعۃ الاقسام وغیرہا من العجائب والغرائب والنوادر والقرائن
والغزوات المدور موجودۃ اذ ہو بحر عمیق۔ الم تر الی لفظ الانحصار
مثلاً ان یقال لک علمک غیر منحصر فی ایسا خو جی فیکون
مرادہ ومفہومہ انک تعلم ایسا خو جی وغیرہا لانک تعلم ما سوی
الایسا خو جی کیف وقال اللہ سبحانه وتعالی فی قصۃ
آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام فسمجمل الملائکۃ
کلہم اجمعون فہذا العام موجود فی القسم الذی
لا یرجع الی معرفۃ احکام الشرع وعلمہ ان مراد السماء
کلہا وغیر ذلک من النصوص بالانتمی بعد ولا یقف

بقیہ ص ۲۷۔ بھی اسلامی ملک نہیں ابکو داؤدین نظر ابو بکر صدیق کا صدقہ
نہ عمارتوں کا دولہ جہاد۔ نہ عثمان غنی کی سخاوت اور شرم و حیا۔ نہ علی رضی اللہ
کا علم و عرفان اور نہ ابو عبیدہ کی ٹرپ مگر دعویٰ ہے کہ ہم اسلام کے خلاف ہیں۔

اسلام کا پھر انہا خلافی اور طبع ہر ملک میں موجود ہیں جو زبان تو اسلام کی
مقائمت کا اعلان کرتے ہیں مگر زندگی کے ہر شعبہ میں ان کو کفر و کلام کے حامی
کر رکھا۔ ان کو کہتے ہیں۔ مشرق باشیوہ ہر کس موافق است با ما شراب خورد و

نہ عمارتوں کا دولہ جہاد۔ نہ عثمان غنی کی سخاوت اور شرم و حیا۔ نہ علی رضی اللہ

حَقَائِقُ وَنَوَادِرُ

آج سے پانچ ہزار سال پہلے کا کھانا صحیح و تازہ ہو جو دے
عُزْرِیْر عَلَیْہِ السَّلَام کے واقعہ کا انکار کریں تو فیجہ کریں

اسے معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے سفر سے ٹھیک طرح نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کو شش کو ترک کر دیا گیا۔

اب باہرین کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے۔ جو اس نازک ترین چیز کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کوئی نیا طریقہ بتائیں گے۔ (د)

(نوفٹ) اللہ عزوجل نے عزیر علیہ السلام کو یروشلم کی تباہی و بربادی کا منظر دکھانے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا مشاہدہ بھی کرایا تھا۔ کہ قادر مطلق کھانے پینے کی کسی چیز کو ایک سو سال تک اصلی حالت میں رکھ سکتا ہے۔ اور شراب نہیں بھرنے دیتا۔ لیکن عالمی دماغی کے بعض دعویدار۔ اَنْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ یَنْسَبْہُ کَامَفْهُومٍ سمجھ نہ سکے اور انہیں حکم الحاکمین کی قدرت یا اختیارات میں شک ہو گیا اور وہ اس آیت کی تاویل بالرائی پر اُتر آئے۔ توقع ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ ان کے اشتباہات کو دور کر دے گا۔

(زمیندار)

قاہرہ ۱۳ ستمبر مصری باہرین آثار قدیمہ کے سامنے ایک انتہائی دشوار مسئلہ پیش آ گیا ہے۔ یہ مسئلہ ایک کھانے کو ۲۰ میل تک منتقل کرنے کا ہے۔ کیونکہ رستہ میں وہ ذرا سے جھٹکے یا ہوا کے جھونکے سے خاکستر بن جائے گا۔

یہ کھانا ۵ ہزار سال قبل ایک مصری عورت کی روح کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ چند سال قبل یہ کھانا شکرا میں واقع اس عورت مقبرہ میں قابل شناخت حالت میں پایا گیا۔ اور قاہرہ کے عجائب خانہ کے حکام اسے دار الحکومت میں لانا چاہتے ہیں۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔

یہ کھانا اب بھی بہترین کھانوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ اس میں شوربہ ہے۔ مچھلی، کبوتر، گردے بکری کا گوشت، پھل، روٹی، کیک اور اس کیساتھ پینے کے لئے شراب بھی ہے۔

باہروں نے اسے بہت احتیاط کے ساتھ ایک صندوق میں رکھا۔ اور ایک باہر آثار قدیمہ اسے اپنے زانوؤں پر رکھ کر ایک موٹر میں بیٹھا جو بالکل جیونٹی کی سی چال سے روانہ ہوئی۔ لیکن چند گز چل کر ہی

اسلام میں مزدوروں کے حقوق

(مولانا سید سیاح الدین صاحب کا کاخیل)
(گذشتہ سے پیوستہ)

ہوتی بھی ہر اس میں سے بھی مختلف عنوانات اور جلیوں تدبیروں سے
کانٹ چھانٹ کر لیا کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی جو معمولی سی
رقم ان کی تنخواہ یا مزدوری کی رہ جاتی ہے اسکی ادائیگی میں بھی
پس و پیش کرتے اور دفتری کارروائی اور قانونی بندشوں کی آڑ میں
میچا دو میچا دیتے چلے جاتے ہیں۔ وہاں مزدور کے بال بچے
بھوک و پیاس گرمی و سردی کی شدت بیماری و بد حالی سے
جان بلب ہو کر ترپتے ہیں۔ اور یہاں مزدور کی درخواست تنخواہ
کو سر بہ فلک کوٹھی میں بیٹھا ہوا شکم سیر سیرایہ دار شراب خانی
کے نشہ میں مست و در پھینک کر ڈانٹ دیتا ہے کہ "جاؤ اب
تمہیں تنخواہ نہیں مل سکتی۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر آ جاؤ میں منشی
سے کمد و نگاہ حساب کر کے جو کچھ روپے آئے تیرے ہتھ
ہونگے دیدیگا" اسلام کی رُوسے کارخانہ داروں کا یہ رویہ یقیناً ناجائز
ہے۔ اور ظلم عظیم ہے۔ اور رحمتہ للعالمین نے صاف و صریح الفاظ
میں مزدوروں اور زیر دستوں کی دستگیری اور اعانت کر کے ظالموں سے
ان کی داد خواہی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قال
اللہ تعالیٰ ثلاثۃ انا خصمہم لہم القیمۃ۔ رجل
اعطی فی شہ غداً و رجل باع حراً ثم اکل ثمنہ
و رجل استاجر جیداً فاستوفی منه ولم یعطہ
اجراً۔ بخاری شریف ص ۲۹ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد
کہ تین آدمیوں کا قیامت کے دن میں فریق مخالف ہونگا ایک وہ شخص
جس نے میرے نام سے کسی کو کچھ یا (مددہ کیا) اور پھر وعدہ کنی کی۔ دوسرا

اسلام کی میرف ایک خوشگوار تجویز اور خیالی جنت نہیں
بلکہ اسے عملی واقعات کی ایک طویل فہرست پیش کیا سکتی ہے۔
جن میں مسلمانوں اپنے عملی دور میں اسے عملاً کر کے دکھایا۔ اس حدیث
کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ ہی کی زندگی کا تو یہ بہتور العمل تھا
بخاری شریف میں جہاں جہاں مندرجہ بالا روایت موجود ہے
وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے یہ ارشاد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اس وقت سنایا تھا جبکہ لوگوں نے دیکھا کہ جو حد
بینی کپڑوں کا جوڑا آپ اپنے ہوتے تھے وہی حد دیکھ کر ڈنکا جوڑا
آپ کے غلام نے بھی پہنا تھا۔ اسکی وجہ پوچھی گئی کہ آپ اپنے اپنے
ہوتے لباس کی طرح غلام کو یہ لباس پہنا دینا کیا یہ تمام کیوں کہتے
ہیں۔ تو اسوقت آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ غصہ میں اگر میں نے غلام
کو کچھ برا بھلا کہا۔ حضورؐ نے مجھے اس پر ٹوکا اور فرمایا انک امولاً
فیلک جاہلیۃ کیا تو اب بھی ایسا شخص ہے کہ تجھ میں جاہلیت
کی خوب باقی ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا انھو انکم خولکم انھو انکم
کے بعد اس کے بعد اس عاشق رسولؐ نے ہر معاملہ میں مسادہ کو
اپنی زندگی کا پروگرام بنایا۔ اسبطرح حضرت فاروق عظیمؓ کا سفر
بیت المقدس میں نصف راستہ خود سوار ہونا اور نصف راستہ غلام
کو اونٹ پر سوار کرنے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

موجودہ دور کے کارخانہ داروں اور اصحاب ثروت کی ظالمانہ
کارروائیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مزدور پر مقررہ کام تو خوب
لے لیتے ہیں لیکن اسکی اجرت اول تو ہوتی بہت کم ہے اور جتنی

وہ جو کسی آٹا آدمی کو بیچ کر اسکی قیمت کھائے۔ تیسرا وہ جس نے کسی کو مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا لیکن اسکی پوری مزدوری ادا نہیں کی۔ ایک دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ **مطل الغنی ظلم** بخاری و مسلم۔

مالدار کا مالدار کے باوجود دوسرے کے ادار حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ تیسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ **اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ** (ابن ماجہ مشکا، مزدور کو اسکی مزدوری ادا کرو اس سے پہلے کہ اسکا پسینہ خشک ہو جائے) مطلب یہ ہے کہ اجرت کی ادائیگی میں پوری محنت سے کام لیا جائے اس بلے میں ٹال مٹول کرنا اچھا لگانا ظلم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہر قسم کے ظلم و جور کو مٹائے اسلئے وہ قانونی طور پر سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں پر ایسی پابندیاں لگا دے گی جنکی بنا پر مزدور و نگو حق محنت پورا کا پورا اور جلد از جلد ادا کران پر کسی طرح کی زیادتی نہ کی جائے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عن استیجار الاجیر حتی یمین لہ اجرک (یعنی تاجر البجارہ ج ۲ ص ۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور و اجیر کو اسکی اجرت ملے بغیر کام پر لگایا جائے۔ اس حدیث میں سرمایہ داروں کو انکے اس کرو فریضے منع کیا گیا ہے جو وہ غریبوں اور محتاجوں کی مجبوریں قائمہ اٹھا کر کیا کرتے ہیں کسی نادار کو اجرت مقرر کئے بغیر کام پر لگا دینے میں اور وہ بیچارہ اپنے احتیاج کی وجہ سے کچھ مصائب کا نہیں سکتا۔ پھر اسکی محنت پونے طور پر استفادہ کر نیے بعد کچھ معمولی سی اجرت دیکر اسکو رخصت کیا جاتا ہے۔ اگر وہ بیچارہ اپنی محنت کا پورا معاوضہ طلب کر نیے لے منہ کھولتا ہے تو پوری اجرت تو دور کی بات۔ اسکو گالی دی جاتی ہے اور ڈانٹ کر اور ذلیل کر کے اسکو نکالا جاتا ہے۔ اسلام کی نیتوں سے

ایسا مجبور اجارہ (مزدوری) جائز نہیں۔ اجرت احکام کی نوعیت و مقدار دونوں کی پوری تعیین کر دینی چاہئے۔ اور اگر کسی شخص کو اس طرح بغیر فیصلہ کام لیا ہے تو اب اسکو اجرت ملنی یعنی اسقدر محنت کی واقعی حق الاجرت ادا کرنا قضاء مزدوری ہے۔ اور مالک یہ کہی نہیں کہہ سکتا کہ جتنی مزدوری میں دینا چاہتا ہوں اتنی ہی ہے۔

بلکہ قاضی جعفر مقرر کرے وہ دینا پڑے گا۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اعطوا العامل من عملہ فان عامل اللہ لا یخیب** (احمد، مزدور کو اسکے کام سے بھی حصہ دو کیونکہ اللہ کا عامل مزدور نامراد نہیں کیا جاسکتا۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ کیا علاوہ مقررہ مزدوری کے منافع کارخانہ میں بھی مزدور کا کچھ حصہ سلام مقرر کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق کوئی تصریحی بات نہیں ملی۔ البتہ صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث اس مسئلہ پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ **اذا صنع لاجلکم خادم طعماً ثم جاء بہ وقد وحرک فمخاض فلیقعل لامعاً**

فلیناکل۔ فان کان الطعام مشفوهاً فلیضع منہ فی یلہ اکلہ او کلتنین (بخاری و مسلم) تمہارا خادم اگر تمہارا کھانا تیار کرے اور کچھ تمہارے پاس لے کر آئے اور اسکی گرمی اور دھوئیں کو کھائے اور کھائے اور کچھ تمہارے پاس لے کر آئے بھی تمہارے ساتھ کھائے۔ اور کھانے پر زیادہ آدمی ہوں اور کھانا کم ہو تو پھر بھی خادم کے ہاتھ میں کھانے کو کچھ چیز اٹھا کر کھدو ایک لقمہ یاد دو لقمے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کام سے بھی جو خادم نے کیا خادم کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہئے۔ کیا کھانا پکانیوالے اس خادم پر کارخانہ کے مزدوروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا؟ سمیر خیال میں یہ قیاس یقیناً درست ہے۔ چاہے مزدور و نگو بھی ان مصنوعات میں اپنی ضرورت پورا کر نیے تو اجرت مقررہ کے علاوہ ملنا چاہئے۔ چھائی کی محنت اور شب و روز کی اٹھک کوششوں اور دماغی اور جسمانی قوتوں کو کام میں

لایسے وجود میں آتی ہیں۔ اس بنا پر مثلاً کسی کارخانہ کے مزدوروں اور کاریگروں کو اور ان کے خاندان و لونگوں کو کچھ عرصہ کے بعد اپنے استعمال کے لئے تنخواہوں کے علاوہ کچھ ضرور دینا چاہئے۔ تاکہ شب و روز کی دلچسپی کے باوجود وہ ننگے تو نہ پھریں جس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں کہ کھانا تیار کرنے والا خادم تو بھوکا سے حال لگے آگ اور دھوئیں کی تکلیف اسے برداشت کی ہے۔ اور اس کا اتنا سیر ہو کر کھائے یقیناً اس غریبوں کے حامی کو یہ بھی پسند نہیں کہ کچھ اپنے والدین کا گھر کر سدی اور گرمی کا شکار ہو اور کارخانے کا مالک اپنے کتوں کو بھی مصل کے گدے پہنائے اور کرہ کی دیواروں کی اینٹوں کو بھی قیمتی چھینٹوں کی پوش سے مزین کرے۔ اسلام کبھی اس حالت کو گوارا نہیں کر سکتا۔ جس کو علامہ اقبال مرحوم نے ان اشعار میں ایک درد انگیز نقشہ کھینچ کر پیش کیا ہے۔

خونخائے کارخانہ آہن گری ز من
گلپانگ ارغنون کلیں اذان تو
نخلے کہ شر خراج برومی نند ز من
باغ بہشت و سدہ و طوبے اذان من

مزد بندہ گر پاس پوش و محنت کش
نصیب خواجہ ناکردہ کار و خت حریر
زخوے قشائی من محل خاتم والی
زاشک کو دک من گو ہر ستام امیر
زخون من چور لو فریبی کلیں اذان
بہ زور بادو شے من دست سلطنت ہر گیر
خوابہ رشک گلستاں زگر بیر سحر م
شباب لالہ و گل انظار و ت جگر م

اسلام میں مزدوروں کے متعلق ان چند حقوق کا

کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض دوسری حدیثیں بھی ہیں جن سے کافی احکام و قوانین کا استنباط ہو سکتا ہے۔ اور اگر اسلام کی رو سے مقرر کردہ حقوق کا پورا پورا خیال رکھا گیا تو پھر اسمیں شک نہیں کہ موجودہ طبقاتی کشمکش دور ہو سکتی ہے۔ خدا کا واسطہ دیکر ہم سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں سے عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اور ملک و ملت کو خون آشام بنا ہی سے بچانے کیلئے اسلام کی طرف رجوع کریں اور بصد خوشی مزدوروں اور ملازموں کے اسلامی حقوق ادا کرنے میں پس پیش نہ کریں۔ اس طرح خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی ملک میں امن و امان بھی ہوگا ان کے پاس حلال اور جائز سرمایہ اپنی ضرورتی زندگی پورا کرنے کیلئے باقی بھی رہے گا۔ لاکھوں کی قلم سیری آؤ تن پوشی بھی ہو جائیگی اور ایک خوشگوار زندگی ہر کسی کو نصیب ہوگی۔ ورنہ اگر اب بھی قارون کی طرح سیم و زر کے حرص میں اَحْسَنَ کَمَا اَحْسَنَ اللہَ اَلَيْکَ پر عمل نہیں کیا اور سرمایہ دارانہ زمینداریوں کو نہ بدلا تو قدرت کا ایک عظیم الشان عذاب اشتراکیت کا سیلاب بلا بنکر سب کچھ بہا لیا جائے کیلئے بالکل تیار ہے۔ فَاخْتَارُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

بقیہ صفحہ ۲۲۔ اصول قوانین ہونگے اور ان اسباب و علل کو دور کر دیا جائے جو تاجر و مسلمانوں کے عالمگیر مالی و اقتصادی خنجر کا باعث ہیں قوم کی خوشحالی اور زمین کی پیداوار سے مالا مال ہونے کی ظاہری تدابیر اور طبی اسباب کو تو سب جانتے ہیں یعنی زراعت کے بہترین اصولوں پر عمل کرنا بہتر سے بہتر بیج ڈالنا اور زیادہ پیداوار کے لئے نئے نئے ترقی یافتہ طریقے استعمال کرنا جو یورپ و امریکا میں استعمال ہوتے ہیں۔ صنعت کو ترقی دینا اور تجارت کو بڑھانا وغیرہ وغیرہ ظاہری تدبیریں ہر حال لازمی اور ضروری ہیں۔

ترانہ میلاد نبی ﷺ

(محترم مولانا الحسین فضل کریم صاحب گوندل بھیرہ)

اس ظلمت کدہ دنیا میں جب نور نبی کا ظم ہووا	وادی عرب کا ہر ذرہ اک جلوہ سے کوہ طور ہووا
جس جاہ پتھی نغمے نے کی صدا، بربط کی نوا	اس جاہیہ اللہ اکبر کا دن را فقط مذکور ہووا
جو چرچا تھا بتخانہ عین درنگ و جھلکتا تو نہیں	اس بادئی عالم کے صد اکام میں کوسوں دور ہووا
جو قوم غر بھٹی غار گر خوب تھی اسکی ابر	اس مصلح قوم کے غمزدہ پیر کا دل مسخ ہووا
جو دل تھا سا جہ تبخاندہ و موج لذت پیمانہ	اک جمیعہ ساقی کوثر کے می وحدت مخمور ہووا
کیا کیا دیکھی ہمارے انہیں اویں بلبلیں گلزار نہیں	ہر وردہ بان منقار غلیج ہمے نبی کا ظم ہووا
ہو صل علی بار بھیں اللہ اکبر بازاروں میں	میلاد نبی ہے یار و نہیں احافظ کا مسر ہووا

اطلاع

مولوی: امان اللہ شاہ صاحب - حافظ محمد شریف صاحب نائب مدرس درجہ حفظ القرآن و صاحبزادہ محبوب علی صاحب ساکن نور خانیوالہ - حزب الانصار سے اور دارالعلوم عزیزہ سے الگ ہو چکے ہیں۔ کوئی صاحب ان اصحاب کے ساتھ حزب الانصار کے نمائندہ و مبلغ کی حیثیت کسی طرح کا معاملہ نہ کریں۔ اگر کوئی صاحب ایسا کرے گا تو حزب الانصار یا دارالعلوم اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

افتخار احمد بگوی کان اللہ امیر حزب الانصار جامع مسجد بھیرہ

Handwritten text in Arabic script, likely a title or header.

Handwritten text in Arabic script, likely a title or header.

Handwritten text in Arabic script, likely a title or header.

جنوری ۱۹۵۰ء

رجسٹر ایل نمبر ۲۶۵۰

غلام حسین اہدیٹر - پرنٹر، پبلشر نے نفاذی برقی پریس سو گودھا سے چھپوا کر
دفتر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ پاکستان سے شائع کیا
